NOVEMBER 2008

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیت

Reg: SR - 01

[redacted]

نومبر
2008

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبت

اللہ

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشور دعوت

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ
قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ط

(النساء۔103)

ترجمہ

''جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو، کھڑے اور بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے''۔

رحمٰن کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز لوہا بازار گوجرانوالہ :0300-7409775

ماہنامہ
آدمیت سے فلاح
گوجرانوالہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاری** رح
بانی سلسلہ

نگران وسرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 11 شمارہ 2 نومبر 2008ء ذیقعد 1429ھ

ایڈیٹر **وحید احمد**
سرکولیشن مینجر **میاں علی رضا**

مجلس ادارت

خالد مسعود، منیر احمد لودھی، ائیر کموڈو (ر) اعجاز الدین، پیر خان
عتیق احمد عباسی، ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی، پروفیسر غلام شبیر شاہد

قیمت ——— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: info@toheedia.net

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

درس قرآن

﴿تحریر: ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ﴾

النحل

نام

اس سورۃ میں "شہد کی مکھی" کے ذکر کی مناسبت سے بطور علامت اس کا نام "النحل" رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول

سورۃ کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ کے بعد نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سورۃ کی آخری دو آیات جنگِ اُحد کے بعد نازل ہوئیں۔

مضامین

سورۃ کا آغاز ایک تہدیدی جملے سے ہوتا ہے کیونکہ کفارِ مکہ کا ہر وقت ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا کہ جس عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے، وہ فوری طور پر لے آؤ اور عذاب کی تاخیر کو وہ آپ کے رسول برحق نہ ہونے کیلئے بطور دلیل پیش کرتے۔ اس کو سمجھانے کیلئے فرمایا:۔

اتی امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ٥

"اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آپہنچا۔ اب اس کیلئے جلدی مت کرو" (النحل: 1)

اس کے بعد اس سورۃ میں توحید کے اثبات کیلئے انفس و آفاق کو بطور شہادت پیش کیا۔ اثباتِ توحید کے ساتھ تردیدِ شرک لازم امر ہے اس سلسلے میں منکرین کے شکوک و شبہات کو دور کیا گیا اور پھر ایک وعید کا ذکر کیا گیا کہ حق کے مسلسل انکار اور باطل پر اڑے رہنے کا لازم نتیجہ اللہ کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔

کفار کے ظلم و ستم کے باعث مسلمان ہجرت کیلئے مجبور ہو چکے تھے بلکہ بعض مسلمان ہجرت کر چکے تھے، اس لئے ان کے ظلم کے مقابلے میں مسلمانوں کو حوصلہ اور ہمت کی تلقین کی گئی۔

اس سورۃ میں مسلمانوں اور کفار دونوں پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی کہ دین صرف

اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت کے اقرار اور محمد ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لینے کا نام ہی نہیں بلکہ دین اس اقرار و تسلیم کے بعد ان اخلاقی اور عملی تبدیلیوں کو اپنانے کا نام ہے جو اس کا لازمی نتیجہ ہیں اور ایک مومن کی زندگی میں ان انقلابی تبدیلیوں کا نمودار ہونا ہی اس دین کے اپنا لینے کی اصلی پہچان ہے۔اس کے علاوہ اشیاء کی حلت و حرمت کے متعلق بھی چند احکام کا ذکر ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتی امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ، سبحنہ و تعلی عما یشرکونo

''اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آ ہی پہنچا تو (کافرو) اس کیلئے جلدی مت کرو۔ یہ لوگ جو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں، وہ اس سے پاک ہے''۔ (النحل:1)

ایک شک کا ازالہ اور دلائل توحید

کفارِ مکہ کو اس شدید وعید اور تنبیہہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر دلائل کا ذکر ہے۔یہ دلائل انسان کی روزمرہ زندگی کے ہمہ وقت مشاہدے پر مبنی ہیں۔زمین و آسمان کی پیدائش، وجودِ انسانی کا نکتہ آغاز، جانوروں کی پیدائش، اُن کا چراگاہوں میں چرنا، اُن کے فوائد، آسمان سے وجودِ حیات کے باعث پانی کا اُترنا، رات دن کا اختلاف، سورج، چاند، ستاروں کی چمک اور زینت، کھیتی، باغات اور کھلیان، دریائی اور سمندری مخلوقات، سمندر کے ذریعے سفر کے فائدے اور اس کہ اتھاہ گہرائیوں میں سے لعل و جواہر کی برآمدگی وغیرہ اشیاء پر غور و فکر کی دعوت ہے۔ان مشتے نمونہ از خروارے نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ

وان تعدوا نعمة اللّٰہ لا تحصوھاo

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو، تو گن نہ سکو گے''۔(النحل:18)

اور واقعی انسان اس کائنات کے سارے نظام پر توجہ کرے گا تو زبانِ حال سے یہی پکارے گا۔ان سب احسانات کے باوجود طبقہ انسانی میں ایسے احسان فراموش قسم کے لوگ بھی موجود ہیں جو قادرِ مطلق اور منعم حقیقی کی ذات سے اعراض کرتے ہوئے ایسے معبودوں کی پوجا پاٹ میں

مصروف ہیں جن کی حقیقت صفر کے برابر ہے۔

معبودانِ باطلہ کی حقیقت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیاء وھم یخلقونo اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثونo

''اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں، وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ یہ خود ان کو بناتے ہیں۔ وہ بے جان ہیں اور ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اُٹھائے کب جائیں گے؟''

(النحل:20-21)

انسان نے اللہ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی ہے، اس کا وجود اور اس کا تخیل خود انسان کا من گھڑت ہے۔ اس ذیل میں بت ہوں یا دیگر مخلوقات جن کے مجسمے بنا کر مشرک ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے، ان کو انسانی ہاتھوں نے بنایا اور گھڑا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان فرشتوں، جنات یا انسانوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے، یہ تخیلاتی معبود، ان کے مقابر یا ان کے مجسمے بھی تو انسان ہی کے وضع کردہ ہیں اور کے مقابل حقیقت حال کے بارے میں یوں ارشاد ہے۔

الھکم الہ واحدo

''تمہارا معبود تو اکیلا (ہی) معبود ہے''۔ (النحل:22)

ایمان کا تیسرا رُکن۔قیامت

عقیدہ توحید کی اس وضاحت کے بعد ایمانیات کے تیسرے رُکن ''قیامت'' کا ذکر ہے۔ اس میں موت، مابعد الموت، عالم برزخ اور قیامت کے مناظر ہیں۔ اسی جگہ مومنین کے بہترین انجام کا ذکر ہے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے ایسے عظیم کرشمے ظاہر فرمائے اور اپنے کلام میں حکیمانہ انداز میں ان کا ذکر بھی فرما دیا مگر وہ باتیں اس دور کے انسان کے نہ علم میں تھیں اور نہ ہی سمجھ میں آ سکتی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ویخلق مالا تعلمونo (النحل:8)

''اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی چیزیں پیدا کر کے دکھائیں گے جن کا تمہیں کوئی علم نہیں''۔

غالباً یہاں اشارہ موجودہ دور کی سائنسی ایجادات کی طرف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولقد بعثنا فی کل اُمة رسولا ان اعبدوا اللّٰه واجتنبوا الطاغوتo

''اور ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے بچو''۔ (النحل:36)

اس آیت میں گویا یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُمت کیلئے رسول بھیجے اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ان اُمتوں پر گواہ ٹھہرایا گیا۔

مشرکین مکہ کی بری خصلت

اس مقام پر مشرکین کی ایک اور بری خصلت کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کیلئے بیٹیوں کا تصور پیش کرتے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے جبکہ ان کا اپنا یہ حال تھا کہ اگر ان کے گھر میں بیٹی کی ولادت کی خبر ملتی تو شدت غم واندوہ کے سبب ان کے رنگ سیاہ پڑ جاتے۔ یہ اہل مکہ کی ایک اخلاقی خرابی بھی تھی کہ وہ بیٹی کے وجود کو نحوست تصور کرتے تھے۔ اس ذیل میں متعدد واقعات منقول ہیں۔ قرآنِ کریم میں بھی دوسری جگہ پر بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے اور آخرت میں ان سے اس کی بازپرس کا ذکر ہے۔

رحمت الٰہی

رحمتِ الٰہی اس قدر عام اور زیادہ ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں ہمارا ہر عمل اللہ کی رحمت کے باعث ہی ہے مگر انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ میرے اعمال کی جزا اور میرا حق ہے۔ اس غلط فہمی سے نکالنے کیلئے ارشاد فرمایا:۔

ولو یواخذ اللّٰه الناس بظلمهم ما ترك علیها من دابة ولکن یوخرهم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعة

ولا یستقدمونo

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی ہر زیادتی پر پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب وہ وقت مقرر آ جاتا ہے تو اس سے کوئی ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتا''۔ (النحل :61)

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ یہ دنیا عمل، امتحان اور مہلت کی جگہ ہے۔ اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ بداعمال لوگوں کو سزا کیوں نہیں ملتی اور نیک عمل لوگ آزمائش، مشکلات اور مسائل کا شکار کیوں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ اعمال کا بدلہ (جزا یا سزا) اس دنیا میں فوری طور پر نہیں دیتا۔ اگر وہ ایسا کرنے لگے تو کوئی بھی زندہ اور باقی نہ رہے اور دنیا کا یہ سارا نظام تلپٹ ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حساب (جزا و سزا) کیلئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اسی وقت سب کو جزا بھی ملے گی اور سزا بھی۔۔۔ اور جب وہ وقت آ جائے گا تو کوئی بھی اسے نہ آگے لے جا سکے گا اور نہ پیچھے۔

دُودھ پر غور کرنے کی دعوت

وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث و دم لبنًا خالصا سائغا للشربینo

''اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے کہ ان کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان سے ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے۔'' (النحل :66)

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام قدرت ہے کہ گائے، بھینس کے پیٹ میں ایک طرف خون ہے اور دوسری طرف گوبر اور ان کے درمیان سے اللہ تعالیٰ انتہائی لذیذ اور عمدہ قسم کا مشروب ہمیں عطا کرتے ہیں۔ یہ ایسا مشروب ہے کہ جس سے اچھا اور بہتر مشروب اس دنیا میں اور کوئی نہیں مل سکتا۔ دودھ کے اجزائے ترکیبی اور اس کے بننے کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں جن میں سے ایک اہم ترین سائنسی بات یہاں بیان کی گئی ہے اور یہ بھی آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل کہ دودھ کہاں ہے

اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟ ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس بات کی طرف اشارہ قرآنِ مجید کا معجزہ ہے۔

ایک سائنسی اعجاز۔شہد کی مکھی

اِسی طرح قرآنِ مجید میں ایک اور سائنسی اعجاز کا ذکر ہے۔

واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر ومما یعرشونo

ثم کلی من کل الثمرت فاسلکی سبل ربك ذللا۔ یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس۔ان فی ذلك لا یة لقوم یتفکرونo

''(اور دیکھو) تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور بلندی پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنائے اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوسے اور اپنے رب کی بتائی ہوئی راہوں پر چلتی رہے اور اس (مکھی کے اندر) سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کیلئے شفا ہوتی ہے۔یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔ (النحل:66-69)

ایک اور قدرتِ الٰہی کا اظہار

یہاں اللہ تعالٰی نے اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ شہد کی مکھی براہِ راست میری شاگرد ہے اور میں نے اس کو وحی کی کہ یوں چھتے بنایا کرو۔آپ اگر کبھی شہد کی مکھی کے چھتے کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ایک بہترین ماہر کاریگر جو بہترین ڈیزائن سوچ سکتا ہے، اس سے بہتر شہد کی مکھی کر گزرتی ہے اور صرف شہد کی مکھی ہی نہیں، آپ کسی بھی پرندے کے گھونسلے کو دیکھیں، وہ کس طرح تنکوں کے ساتھ اپنا گھونسلا بناتا ہے اور وہ کس قدر خوبصورت ہوتا ہے۔ذرا آپ اس انجینئرنگ یونیورسٹی کا نام تو بتایئے جہاں سے یہ شہد کی مکھی یا یہ پرندہ یہ کام سیکھ کر آیا ہے۔اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی طرف وحی کی اور ہم ہی نے انکے دلوں میں علم ڈال دیا ہے۔

صرف مادہ مکھی شہد تیار کرتی ہے۔۔قرآنی اعجاز

سائنس کو اب آ کر یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ شہد مادہ مکھی تیار کرتی ہے۔نر مکھی صرف غذا مہیا کرنے کا کام سرانجام دیتی ہے اور شہد نہیں بناتی۔یہ اس دور کی سائنس کا انکشاف اور دریافت ہے۔اس کے مقابلے میں آپ قرآنِ مجید کا اسلوب دیکھیں۔قرآنِ مجید کا اپنا الگ اور نرالا اسلوب ہے کہ وہ جہاں بھی عام انسانوں، حیوانات کا ذکر کرتا ہے۔مذکر اور مونث دونوں کیلئے مذکر کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔مثلاً!

یاایھا الذین امنوا "اے وہ لوگو جو ایمان لائے"

اب ان میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

یاایھا الناس (اے لوگو!) اس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔

یابنی ادم (اے آدم کے بیٹو!)

ظاہراً خطاب مذکر سے ہے مگر اس میں مونث بھی شامل ہے۔یہ بات آپ سمجھ چکے تو یہاں اس قاعدے کی رو سے بھی قرآنِ مجید میں مذکر کا صیغہ استعمال ہونا چاہئے تھا جو مونث ہونا چاہیے تھا جو مونث کو بھی شامل ہوتا مگر قرآنِ مجید نے ایک نہیں بلکہ تین جگہوں پر صرف مونث کا صیغہ استعمال کیا ہے اور یہ اس بات کو واضح کرنے کیلئے کہ شہد مادہ مکھی تیار کرتی ہے۔نر نہیں۔پہلے فرمایا

1۔ **اتخذنی من الجبال** (پہاڑوں میں گھر بنانا) مونث کا صیغہ۔

2۔ **ثم کلی من کل الثمرات** (پھر ہر قسم کے میوے کھا) مونث کا صیغہ۔

3۔ **فاسلکی سبل ربك ذللا** (اپنے رب کے صاف راستوں پر چلی جا) مونث کا صیغہ۔

تینوں جگہوں پر خاص مونث کا صیغہ ہے کہ شہد کی تیاری مونث کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔نر کے ذریعے نہیں۔اور یہ بات آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کسی ڈاکٹر، طبیب، سائنسدان تک کو بھی معلوم نہ تھی۔جس کا ذکر قرآنِ مجید میں ہوا۔

قرآنِ مجید کو اگر ہم شعور کی آنکھوں سے پڑھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس میں اس قسم کے اَن گنت معجزات ہیں۔

حشر کی منظر کشی اور ایک مثال

اس کے بعد کچھ اخلاقی تعلیم کی باتیں ہیں اور ان میں اللہ کے عہد کو پورا کرنے کی تاکید ہے اور پھر وہ آیات ہیں جن میں حشر کے روز بازپرس کی منظر کشی یوں کی گئی ہے۔

ویوم نبعث فی کل اُمۃ شہیدا علیہم من انفسہم و جئنابك شہیدا علی ھولاء ونزلنا علیك الکتب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ و بشری للمسلمینo

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان و ایتای ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرونo

واوفوا بعھد اللّٰہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللّٰہ علیکم کفیلا۔ ان اللّٰہ یعلم ما تفعلونo

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثاo

"اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے خود اُن پر گواہ کھڑے کریں گے اور اے نبی! ہم ان میں آپ کو گواہ بنا دیں گے اور (اسی گواہی کی خاطر) ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو واضح بیان کرتی ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم سبق لو، اللہ کے عہد کو پورا کرو، جب تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد مت توڑا کرو، جب تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے، تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کاتا اور پھر آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا"۔ (النحل 88-92)

مذکورہ آیات اپنی وضاحت خود کر رہی ہیں لیکن آخری آیت کے بارے میں کتب تفاسیر میں یہ واقعہ موجود ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک دیوانی عورت رہتی تھی۔ وہ سارا دن سوت کاتا کرتی اور شام کو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیر دیا کرتی تھی۔ وہ تو دیوانی تھی لیکن معلوم یوں ہوتا ہے کہ وہی دیوانگی ہمارے اندر بھی موجود ہے۔ بہت محنت سے نیکیاں کرتے ہیں لیکن اس کے بعد کوئی ایسا قصور کر گزرتے ہیں کہ تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

تعمیر ملت اور اقامت دین

﴿تحریر:محمد حسین﴾

اقامت دین کا طریقہ کار

اب اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ کار کیا ہونا چاہئے۔ چونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہر مسئلے کا حل قرآن پاک اور اسوہ حسنہ میں موجود ہے تو اس بنیادی مسئلے کا حل بھی یہیں سے ڈھونڈتے ہیں۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ نبوت اکتسابی نہیں بلکہ ایک وہبی منصب ہے یعنی یہ منصب جلیلہ عبادت و ریاضت اور محنت شاقہ کے صلے میں نہیں ملتا اور نہ اتفاقاً یہ سعادت ہاتھ آجاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تو پیغمبری مل گئی۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھے کوئی
کہ آگ لینے کو جائیں اور پیغمبری مل جائے

یہ مقولہ غلط ہے بلکہ جن نفوس قدسیہ کو اس منصب اعلیٰ سے نوازنا ہوتا ہے انہیں شروع ہی سے بے مثل بنا دیا جاتا ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے حضور نبی پاک ﷺ کی چالیس سالہ زندگی ایک مثالی زندگی ہے جس کا دشمن بھی انکار نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی دلیل میں حضور ﷺ کی اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی ہی کو پیش فرمایا **فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون**۔ کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرمایا اگر اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی میں ذرا سا بھی جھول ہوتا تو آپ ﷺ کا یتیم پیدا ہونا۔ بادیہ نشینی اور بکریاں چرانا شق صدر کا واقعہ پیش آنا پھر غار حرا میں خلوت میں کئی کئی دن اللہ کی یاد میں گذارنا سب پیغمبرانہ نہج پر تربیت ہی کے مراحل تھے۔ مطلب یہ کہ پیغمبر کی تربیت کے زیر اثر وہ پیغمبری کے منصب پر فائز ہو گیا۔ علامہ اقبالؒ کے مندرجہ ذیل اشعار تو علامتی ہیں شعیب علیہ السلام اور کلیم علیہ السلام بطور علامات استعمال ہوئے ہیں ورنہ حقیقت میں ایسا بھی نہیں ہوا کہ کسی صالح انسان کی تربیت سے کسی کو پیغمبری مل گئی ہو۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

باوجوداتنی سخت تربیت کے اعلان نبوت کے ابتدائی ایام میں خدائی صفات کا رنگ اور زیادہ گاڑھا کرنے کیلئے سورۃ مزمل میں فرمایا۔

یا یھا المزمل٥قم الیل الا قلیلا٥نصفه اونقص منه قلیلا٥اوزد علیه ورتل القران ترتیلا٥انا سنلقی قولا ثقیلا٥

''اے کملی اوڑھنے والے ﷺ رات کو کچھ حصہ کے سوا قیام فرماؤ آدھی یا اس سے کچھ کم اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو بے شک ہم عنقریب تم پر ایک بھاری بات ''اقامت دین'' ڈالیں گے''۔یعنی بھاری بات ڈالنے سے قرب الٰہی میں اور زیادہ ترقی کیلئے رات کو مجاہدہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ حضور ﷺ پہلے ہی مقرب تھے۔مگر اس قرب سے مراد فاصلہ سے کمی بیشی نہیں بلکہ اپنے آپ کو صفات الٰہیہ میں رنگ لینے کو قرب کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے **صبغة اللّٰه** (اللہ کا رنگ) آگے پھر فرمایا **ومن احسن من اللّٰه صبغته ونحن له عبدون٥** (اور اللہ کے رنگ سے کس کا بہتر رنگ)۔اللہ کے رنگ سے نیلا پیلا یا سرخ رنگ تو مراد نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (اسماء الحسنیٰ) لہذا نہ ہی صفات الٰہی کی کوئی انتہا ہے اور نہ قرب میں ترقی کی کوئی انتہا ہے یہ صفات الٰہیہ حدود بشری کے مطابق ہر انسان کے اندر مضمر ہیں۔انہی مضمر صفات کی نشوونما کرنا یہاں تک کہ یہ امکانی حد تک مشہود ہو جائیں۔یہی انسانی انفرادی کمال کا نقطۂ عروج ہے اسی عروج کو علامہ خودی کہتے ہیں، جتنی یہ خودی نمایاں ہوگی انسان اتنا ہی زیادہ مقرب بارگاہ الٰہی ہوگا اسی کا نام تکمیل ذات ہے، اسی کو تصوف کی زبان میں سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں۔یہ حضور نبی پاک ﷺ کی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے اب تکمیل ذات کے بعد جب حقائق مستور آپ ﷺ پر منکشف ہوئے تو ان پر کیف مناظر سے خود ہی لذت اندوز نہیں ہوتے رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم بموجب مخلوق کی طرف مراجعت فرمائی جسے سیر من اللہ کہتے ہیں تا کہ تمام دنیا انسانیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیں چنانچہ حکم ہوتا ہے **یایھا المدثر٥ قم فانذر٥وربك فکبر٥** (اے بالا پوش اوڑھنے والے ﷺ کھڑے ہو جاؤ اور ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بڑائی بولو) یعنی دعوت و تبلیغ کا

کام شروع کردو اور ساتھ ساتھ **وربک فکبر** سے زادِ راہ بھی حاصل کرتے رہو اور صفات الٰہیہ کا رنگ بھی گاڑھا کرتے رہو جو تعاون کرے اسے بھی اسی رنگ میں رنگتے رہو اور اتنا رنگ چڑھاؤ کہ وہ بھی رنگریز اور رنگ ساز بن جائے۔ زمانے نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے اللہ کی طرف سے ہدایت کی روشنی میں دن رات کی محنت شاقہ سے ایسے رنگریز اور رنگ ساز اور جاں نثار نفوس قدسیہ رشک ملاءاعلیٰ کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی کہ زمانے کی نگاہوں نے چرخ نیلگوں کے نیچے ایسی جماعت نہ دیکھی ہوگی اور نہ آئندہ دیکھیں گے۔

اک سمت علیؓ اک سمت عمرؓ عثمانؓ ادھر صدیقؓ ادھر
ان جگ مگ جگ مگ تاروں میں مہتاب ﷺ کا عالم کیا ہوگا

مدنی دور میں جب یہ جماعت اخلاقی اور روحانی طور پر اور زیادہ قوی و مضبوط ہوگئی یعنی اس پر جمالی صفات الٰہیہ کا بشری حدود کے مطابق پورا پورا رنگ چڑھ گیا اور اس پر ایک اور رنگ چڑھانے کا حکم ہوا یعنی جلالی اور جہادی رنگ لہٰذا فرمایا **وقاتلو فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا** o (اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو یعنی ظلم نہ کرو) اس کے بعد پھر یہ حکم ہوتا ہے **وقتلوھم حیث ثقفتوھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنتہ الشد من القتل** o ''اور ان کو (منکروں کو) قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا ان کا (کافروں کا) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے'' اس کے بعد اور سختی کا حکم ہوتا ہے **وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ** o ''اور ان سے لڑو قتال کرو یہاں تک کہ ان کا فتنہ نہ رہے اور دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے''۔ یعنی دین اسلام تمام باطل نظاموں پر غالب آجائے۔ زمانہ گواہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے چند سالوں میں اپنے جاں نثار غلاموں کے ہمراہ جزیرہ نما عرب میں کفار کے فتنے کا سر کچل کر رکھ دیا اور دین حق کو معاشی، معاشرتی، سیاسی حتیٰ کہ ہر طرح سے غالب کر دیا حق چھا گیا اور باطل مٹ گیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی زندگی آپ کی بے شمار شانوں کے مختلف رنگوں کی قوس قزاح ہے جس میں تعمیر خودی (تکمیل ذات)، دعوت و تبلیغ، غلبہ دین حق (اقامت دین یا تعمیر ملت) کے تین رنگ بہت نمایاں ہیں۔ جب یہ رنگ ایک خاص مناسبت سے متوازن صورت میں یکجا ہوئے تو ایک بے رنگی یعنی سفید روشنی وجود

میں آ گئی جس نے دنیا کو جو کہ ظلمت کدہ بن گئی تھی منور کر دیا حضور ﷺ کے زمانے جیسا ہر قسم کے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی استحصال اور ظلم جور سے پاک پر امن زمانہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا۔اس کے بعد صحابہؓ اور تابعین کا زمانہ جسے نبی پاک ﷺ نے خیر القرون فرمایا ہے۔یاد رہے کہ سورج کی روشنی کے سات مختلف رنگ ہیں اور جب ساتوں خاص نسبت سے ملتے ہیں تو سفید روشنی ظاہر ہوتی ہے جو زندگی بخش ہے اگر ان رنگوں میں کمی بیشی ہو جائے تو زمین پر زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے۔

اِسی طرح حضور نبی پاک ﷺ کی زندگی کے کسی ایک رنگ کو چھوڑ دیا جائے تو انسانیت متوازن نہیں رہ سکتی تو پھر اصلاح انسانیت یا غلبہ دین یا اقامت دین بھی ممکن نہیں۔اس طرح نبی پاک ﷺ کی زندگی کا پہلا دور سیرت مقدسہ نجی اور انفرادی پہلو کا ہے جس میں غار حرا کی خلوتیں، سجدے، آہ و زاریاں عشق الٰہی میں وارفتگیاں اور حلاوت آفرین کیفیات ہیں۔اسوہ حسنہ کا دوسرا پہلو اجتماعی ہے۔جس میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں آپ کبھی حرم کعبہ میں قریش کے مجمع کو دعوت حق دے رہے ہیں کبھی طائف کی گلیوں میں اعلائے کلمۃ الحق کیلئے پتھر کھاتے نظر آتے ہیں کبھی شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے جاتے ہیں اور کبھی دار ارقم میں اپنے غلاموں کے نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ کرتے اور کلام پاک کے ذریعے تربیت کرتے نظر آتے ہیں۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتب والحکمة ویعلمکم مالم تکونو تعلمونo

تیسرے دور کا آغاز ہجرت مدینہ کے بعد شروع ہوتا ہے جس میں آپ نے طاغوتی طاقتوں کو چیلنج کر دیا اور دینی تحریک علاقائی اور قومی حدوں کو عبور کر کے بین الاقوامی سرحدوں میں داخل ہو گئی۔قتال و جدال کا صبر آزما دور شروع ہوا مخالفتوں اور مزاحمتوں کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے۔بدر کے میدان میں کبھی مجاہدوں کو صف آرا کرتے ہیں کبھی سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں محو نظر آتے ہیں، کبھی میدان اُحد میں اللہ کے دشمنوں کے مقابل ہوتے، کبھی جنگ احزاب کے موقع پر خندق کھودتے نظر آتے ہیں کسی طرف کوئی سریا بھیجتے ہیں کسی جنگ میں خود تشریف فرما ہوتے ہیں۔آپ کی پاک زندگی کے مدنی دور کے دس سالوں میں تر اسی جنگیں لڑیں گئیں جن میں بیشتر میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے اور زخم بھی کھائے لیکن قرآنی ہدایت

کے تحت جدو جہد جاری رکھی اور زمانے کے طوفان پر تسلط پا کر تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں لے آئے۔ مقاصد کی نئی دنیا تعمیر کی اور تمام دنیائے انسانیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ دین حق کو ہمہ پہلو قائم کر کے سب مروجہ باطل فاسقانہ ظالمانہ اور استحصالی نظاموں پر غالب کر کے انسانیت کو ایک نیا فرحت وزندگی بخش قالب عطا فرمایا۔ آپ ﷺ کی پیغام کے روح سے جس قسم کی تہذیب اور ثقافت اُبھر کر سامنے آئی زمانے نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ پہلی دفعہ دنیا کو انسانی بنیادی حقوق اور عدل اجتماعی سے روشناس کرایا اور جزیرۃ العرب کو امن سے بھر دیا، دنیا کو ایک قابل عمل ضابطہ حیات عطا فرمایا یہی منشاء خداوندی اور مقصدِ بعثت نبی مکرم ﷺ تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ سر ٹیفکیٹ عطا فرمایا **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی)

اُمت کے زوال کا اہم سبب

بہت سے دیگر اسباب کے علاوہ اُمت مسلمہ کے زوال اور زبوں حالی کا اہم سبب مقصد حیات کی فراموشی ہے۔ جب تک امت نے مقصد حیات نگاہ کے سامنے رکھا اور اس کے حصول کے اصولوں کو دل و جان سے عزیز جانا انسانیت کی امامت پر مامور رہی جونہی نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہوا اُمت مرحومہ اسفل سافلین کے گہرے گڑھے میں جا گری۔ جو جماعت ایک لمحہ کیلئے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی ایسا نظام اس پر مسلط ہو جو اس کے محبوب اصولوں پر مبنی نہ ہو اگر سوء اتفاق سے کبھی کسی جگہ ایسا ہو گیا تو جماعت کا ہر فرد ماہی بے آب کی طرح بے قرار رہتا اور باطل نظام کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا اور یہ اضطراب اسی وقت سکون میں بدلتا جب باطل نظام کی دھجیاں بکھیر دی جاتیں۔ اس کے برعکس اب ہماری یہ حالت ہے کہ باطل نظام کے خلاف احتجاج اور اضطراب تو ایک طرف ہم نے تو تعاون و مداہنت کی حدیں پھلانگ کر باطل نظام کی غلامی کا ذوق اپنے اندر پیدا کر لیا اور ہم یہ بالکل فراموش کر چکے کہ پونجی لٹ چکی یہ احساس ہی ختم ہو گیا ہے۔ وائے! کہ احساس زیاں جاتا رہا۔ کبھی بھولے سے بھی اس طرف کی جدو جہد کی جائے جو قرآن اور سنت نے عطا فرمائے ہیں۔ اگر کسی گوشے سے اس طرح کی آواز بلند ہو جاتی ہے تو ہمارا دین دار طبقہ طعن، تشنیع اور اختلاف و عناد کے تیر برسانے شروع کر دیتا

ہے۔ہائے ہائے! قافلہ لٹ گیا ہے دین کی نیم مردہ لاش کے اعضاء کو کشمیر، ہندوستان، برما، تھائی لینڈ، چیچنیا، بوسینا، فلسطین، لبنان اور پتہ نہیں کہاں کہاں گدھ نوچ رہے ہیں اور ہمارے صالحین ہنوز الٰہیات و تاویلات میں اُلجھے ہوئے ہیں اور عوام الناس خرافات میں پھنسے ہوئے ہیں۔حد تو یہ ہے کہ ہمارے بعض صوفیا کو باطل کے گماشتوں کی طرف سے روحانی طور پر ٹھنڈی ہوا (گرین سگنل) کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں لہٰذا ہم نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے تیسرے حکم اور نبی پاک ﷺ کے اسوہ حسنہ کے تیسرے پہلو یعنی دین حق کو باطل نظام ہائے زندگی پر غالب کرنے کو کماحقہ نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ اسوہ رسول ﷺ کا تیسرا پہلو جو پہلے بیان ہوا ہے شاہد ہے کہ اس کے بغیر نہ دین قائم ہوتا ہے اور نہ قائم رہتا ہے۔شاید یہ حصہ حضرت امام مہدیؑ کیلئے چھوڑ رکھا ہے۔اصل میں دیکھا جائے تو پہلے دونوں عمل یعنی نجی عبادات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ تیسرے عمل یعنی اقامت دین کیلئے تمہید اور زادِ راہ کے حصول کا درجہ رکھتے ہیں اگر تیسرے مرحلے میں داخل ہو کر اقامت دین کا فریضہ ادا نہ کیا جائے تو پھر پہلے دونوں اعمال کے ضائع ہونے کا بھی خطرہ ہے۔جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا۔**یایھا الذین امنوا اطیعو اللہ واطیعوالرسول ولا تبطلوا عمالکم** ''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول پاک ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے عمل ضائع مت کرو'' اب یہ خطاب مومنین سے ہے جو مومن ہی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ہوئے ہیں تو پھر اب کونسی اطاعت کا ذکر ہو رہا ہے؟ یہ اسی تیسرے حکم جس میں جان اور مال دونوں کا خطرہ ہے ''یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا حکم ہے کہ باطل کو مٹا کر حق کا بول بالا کر دو کیونکہ اسی لئے تمہیں تیار کیا گیا ہے اگر ایسا نہیں کرو گے تو تیاری پر تونے جو جو محنت کی ہے وہ باطل ہو جائے گی''۔گویا یوں سمجھیں کہ دین حق یا دین اسلام کی اقامت کا مطلب ایک عالیشان سلامتی کا محل بنانا ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے امن و سلامتی پا جائے۔تو محل کی تیاری میں سب سے پہلے بنیاد کا مرحلہ آتا ہے بنیاد جتنی مضبوط ہوگی محل اتنا ہی دیر پا ثابت ہوگا۔شرعی تکلیفات یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر و فکر سے جو تقویٰ اور تزکیہ کی قوت پیدا ہوتی ہے وہ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔بنیاد چونکہ زمین کے اندر چھپی رہتی ہے اسی طرح تقویٰ، تزکیہ پوشیدہ قلبی صفات ہیں۔گو بنیاد اولی ہے اس کے بغیر عمارت کا بننا محال ہے مگر یہ کہاں کی حکمت ہے کہ بنیاد ہی کو ساری عمر مضبوط کرتے رہیں اس پر ستون نہ کھڑے کریں۔

دعوت و تبلیغ گویا محل کے ستون ہیں اب اگر ستون بنا کر ان پر چھت نہ ڈالی جائے تو کیا عمارت مکمل ہو جائے گی۔ زمانے کے طوفان (باطل کے جھگڑے) ان ستونوں کو اُکھاڑ نہ پھینکیں گے؟ اس طرح ساری محنت جو بنیادوں اور ستونوں پر کی گئی ضائع نہیں ہو جائے گی؟ لہٰذا عمارت کو مکمل کرنے کیلئے اس پر چھت ڈالنا ضروری ہے اس سے عمارت بھی نقصان سے محفوظ ہو جائے گی اور جو اس میں پناہ لے گا وہ بھی امن میں رہے گا لہٰذا ملک و معاشرے کی بھاگ دوڑ یا قوت نافذہ اللہ اور رسول کے عطا کردہ اصولوں کے حامل مردان حر کے ہاتھوں دنیا میں جو دین کو ہمہ پہلو نافذ کرنے کے اہل ہوں سلامتی کے محل پر چھت ڈالنے کے مترادف ہے۔

گذشتہ ساری بحثوں کا لب لباب یہ ہے کہ جب تک دین حق کو اپنی اصلی صورت میں قائم نہیں کر دیا جاتا ساری اُمت مجرم ہے جو جتنا صاحب اختیار ہو گا اتنا ہی بڑا مجرم ہو گا۔ دین دار طبقے کے انفرادی اعمال یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی ذکر و فکر، اعتکاف و چلہ و مراقبات کا اہتمام اور جھوٹ فریب، غیبت و چغلخوری، کبر و غرور، شرک و ریا، ظلم و جور، رشوت و سود خوری، جوا و شراب نوشی، فتنہ و فساد جیسے رزائل سے اجتناب کے بلند پایہ انفرادی نیک اعمال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا اس فرض کفایہ سے عہدہ براں ہونا ساری اُمت کی ذمہ داری ہے۔ ایک اکیلا شخص اس ذمہ داری کو نہیں نباہ سکتا۔ جب تک اس قسم کا درد رکھنے والے اس کا ساتھ نہ دیں۔ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ ایک شخص ایمان و اخلاص، عمل صالح اور انتہائی روحانی ترقی کے باوجود اکیلا حق کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ ایسی مثال پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس عظیم کام کا آغاز ایک ہی شخص کرتا ہے جو مشکل ترین مرحلہ ہے اور پہاڑ کو ناخن سے کھودنے کے مترادف ہے۔ لیکن اللہ کے فضل سے بحیثیت قوم یا اُمت یہ مرحلہ طے ہو گیا ہے اور غلبہ دین حق کیلئے بہت سے افراد نہیں بلکہ جماعتیں میدان عمل میں ہیں مگر کمی اس بات کی ہے کہ کوئی بھی جماعت جو اقامت دین کے فریضہ کی انجام دہی کی دعویدار ہے پوری اُمت مسلمہ یا کم از کم پاکستان کی حد تک پوری پاکستانی قوم کی نمائندہ جماعت ہونے میں ناکام رہی ہے۔ موجودہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی جماعتوں میں کم از کم اشتراک عمل کی حد تک ہی اتحاد ہو جائے جب تک یہ نہیں ہو گا غلبہ دین اور اُمت مسلمہ کے نشاۃ ثانیہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا قبلہ انصاری صاحبؒ نے بھی تعمیر ملت میں اتحاد کی

پر زور دیا ہے لہٰذا اس کیلئے سنجیدہ کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے تا کہ ساری پاکستانی قوم کی نمائندہ جماعت وجود میں آ جائے اور اقتدار صالح ہاتھوں میں منتقل ہو کر اقامت دین کا مرحلہ آسانی سے طے ہو جائے کیونکہ مقتدر حضرات کے اخلاق عوام میں جلدی سرائت کرتے ہیں ویسے بھی یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس فکر کو قوت کا تعاون حاصل ہو وہ جلد پھلتا پھولتا ہے اور قوت اگر صالح فکر کے بغیر مجتمع ہو جائے تو چنگیزیت بن جاتی ہے اور اگر قوت صالح جماعت کے ہاتھوں قوت نافذہ نہ ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مکمل طور پر ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ قوت نافذہ کے بغیر برائی کو زیادہ سے زیادہ دل سے برا جانا جا سکتا ہے جو تیسرے درجے کا ایمان ہے اور تھرڈ ڈویژن کو تو نہ ہی نوکری ملتی ہے اور نہ ہی داخلہ اور اشتہار کے نیچے لکھا ہوتا ہے ''تھرڈ ڈویژن درخواست دینے کی زحمت نہ کریں''۔

لہٰذا اتحاد کی کوشش کوئی معمولی بات نہیں اگر بغور دیکھا جائے تو اس اتحاد میں ساری انسانیت کی اصلاح مضمر ہے اگر یہ کام ہو جائے تو دنیا **یدخلون فی دین الله افواجا** کا روح پرور منظر دیکھ لے گی۔

گو آج باطل کی گرفت ہر طرف مضبوط ہے مگر اس صورت حال سے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ زمین بلکہ کائنات کا جائز وارث تو حق ہے اگر اس کے علمبرداروں کی سستی و کاہلی کی وجہ سے باطل غاصبانہ قبضہ کر لیتا ہے تو یہ صورت حال غیر فطری ہے جب بھی اصل وارث اپنی وراثت واپس لینے کا تہیہ کر لیتا ہے اور میدان کارزار میں کود پڑتا ہے تو قدرت کاملہ اس کی مدد پر مستعد ہو جاتی ہے اور غاصب باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

جا الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کے لئے ہے''

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جس کو خود اپنی حالت بدلنے کا

(والعاقبته للمتقين)

آخر میں خلاصہ کلام یوں سمجھیں کہ:۔

(ا)۔ پہلے جسم کی ریاست کوتزکیہ وتصفیہ کے تعاون سے غاصب نفس امارہ کے چنگل سے آزاد کروا کراس پرروحانی قوتوں کا تسلط قائم کردیا جائے ۔**(قد افلح من تزکی)**

ہوصداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

(ب)۔پھردعوت وتبلیغ کے ذریعے مزکی لوگوں کی ایک جماعت بنائی جائے۔
یا پھر پہلے سے موجود اس قسم کی موجود جماعت کے ساتھ مل کرا قامت دین کا کام لیا جائے ۔
(یایھا الذین امنواتقواللّٰہ وکونوا مع الصادقین)

(ج)۔پھر وقت کے ابولہبوں، ابوجہلوں سے اللہ تعالیٰ کی زمین کو پاک کر کے صدیقیت و فاروقیت کے حامل افراد کے حوالے کیا جائے ۔اخلاص اور عمل کی ضرورت ہے نری خواہش سے کام نہیں بنتا ۔خواہش تو ہر مسلمان کی یہی ہے کہ خلافت راشدہ کا سا دور پھر آ جائے ۔خواہش کو پختہ کر کے مصمم ارادے میں بدلنا چاہئے ۔جب ارادہ پختہ ہو جائے تو اسے عمل میں ڈھالنا چاہئے نیت صاف ہوتو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے **وعداللّٰہ الذین امنو منکم و عملو الصالحات یستخلفنھم فی الارض کما ستخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم اللذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا** ''اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کیلئے جما دے گا وہ دین جو ان کیلئے پسند فرمایا ہے او ر ضرور ان کے اگلے خوف کوامن میں بدل دے گا۔

نقش حق اول بجان انداختن
باز او را در جہاں انداختن
نقش جان تا در جہاں گردد تمام
می شود دیدار حق دیدار عام

دُعا

سو عملی کوشش کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے شرم آتی ہے مگر اس کی بے پایاں رحمت کے سہارے اور رحمت اللعالمین ﷺ کے صدقے دعا کرتے ہیں کہ اے لطیف الخبیر اللہ تو بھیدوں کا جاننے والا ہے ۔دلوں کا حال تجھ پر خوب روشن ہے الٰہی تو اپنے علم میں غنی ہے اور مخلوق

کا حال تجھ پر عین عیاں ہے۔ہم مسلمانوں نے تیری نعمتوں کا کفران کیا شکر بجا نہ لائے تو نے ہمیں قرآن جیسی زندہ کتاب عطا فرمائی ہم نے اسے آسانی سے مرنے اور مرنے کے بعد ایصال ثواب کیلئے تلاوت کرنے تک محدود کر دیا اس کی ہدایات پر عمل نہ کیا۔چار دانگ عالم میں ذلیل ہو گئے ۔بے غیرت و بے ہمت ہو گئے ۔عزیمتوں سے گریز کیا۔رخصتوں کا سہارا لیا۔ہم نے تیری بندگی چھوڑ دی اپنی نفسانی خواہشات ،حرص و ہوا اور شہوتوں کے بندے بن گئے تیرے عطا کردہ زندگی بخش قوانین سے اعراض کیا اپنی طبیعتوں کے غلام ہو گئے ۔ہم نے انصاف چھوڑ دیا آئین جہانبانی بھول گئے ۔عقل خود بین سے رہنمائی حاصل کی اور عقل جہاں سے منہ موڑ لیا۔ہم نے اسوہ حسنہ کی پیروی چھوڑ دی تو یہودی و نصاری ہم پر مسلط ہو گئے ۔تو نے رحم فرمایا ہمیں آزادی عطا فرمائی۔شب قدر کا تحفہ ہمیں پاکستان کی صورت میں عطا فرمایا ہم نے اس نعمت کی پھر بے قدری کی اس ملک میں قرآن میں عطا کردہ قانون نافذ کرنے کا تجھ سے عہد کیا مگر ہم نے وعدہ وفا نہ کیا۔مولا تعالیٰ تو نے ہمیں بار بار موقع دیا ہم نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا تو نے ہمیں اپنا محبوب عطا فرمایا اور اپنے لطف و کرم سے اس پر جمع فرمایا مگر اب ہم نے اسی ذات کریم ﷺ کو وجہ نزاع بنایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ۔مولا کریم ہم نے تیری نعمتوں کا کفران کیا ہم پر ظالم لٹیرے حکمران مسلط ہو گئے الٰہی تو ہر بات سے آگاہ ہے تو عالم اور منصب ہے، حاکم ہے تو کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم ظالم ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ہم تیری بارگاہ میں اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔دنیا کی عدالتوں میں اقرار جرم پر سزا ملتی ہے مگر تیری عدالت کا قانون علیحدہ ہے جو اقرار کرتا ہے وہ پشیمان ہوتا ہے اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔الٰہی ہم گنہگار ہیں ہم سے بار بار بھول ہو جاتی ہے تو ہمیں معاف کر دے ہم تجھ سے تیرے عدل کی نہیں تیرے فضل کی بھیک مانگتے ہیں بے شک تو عادل ہے مگر تو نے کبھی اس صفت کے ساتھ نہیں بلکہ فضل کی صفت کے ساتھ ہمیشہ اپنے آپ کو متعارف کروایا ہے (تو ذوالفضل و فضل تو عظیم است) ہم تجھ ہی سے فریاد کرتے ہیں تیری ہی طرف بھاگتے ہیں۔سب پناہوں سے منہ موڑ کر صرف اور صرف تیری ہی پناہ مانگتے ہیں۔الٰہی ہمیں اس پر استقامت نصیب فرما۔مولا تیرے دربار میں ہم تیرے حبیب مصطفیٰ کریم ﷺ کو شفیع لاتے ہیں تو ہماری دُعا قبول فرما لے اور ہمیں معاف کر دے۔

اے خاصہ خاصان رُسل ﷺ وقت دُعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

مسلماں آں فقیر کج کلا ہے
رمید از سینہ او سوا آ ہے
دلش نالا چرا نا لا اندانذ
نگاہے یا رسول نگاہے
یا رسول اللہ انظر حالنا
یا رسول اللہ انظر حالنا

مولا تیرا رنگ سب سے اچھا اور پکا ہے اس میں ہمیں رنگ دے مولا اتنا رنگ دے اتنا رنگ دے کہ ہمیں بھی رنگریز اور رنگ ساز بنا دے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا رنگ ہم پر چڑھا دے، صحابہ کا سارا کردار نصیب فرما دے، ہمیں باغیرت باحمیت مسلمان بنا دے، سستی کاہلی سے نجات عطا فرما دے، ہمارے حکمرانوں کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً صحیح اسلامی سوچ اور صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اپنی اور اپنے حبیب پاک کی سچی محبت عطا فرما دے ہمارے حکمرانوں کو صدیق اکبرؓ جیسی بصیرت و فراست، حضرت عثمان غنیؓ، جیسا حلم اور شجاعت عطا فرما۔ ہمارے فقیروں کو حضرت ابو ذرؓ جیسی قناعت و صداقت اور ہمارے امیروں کو حضرت عثمان غنیؓ جیسی سخاوت نصیب فرما۔ ساری اُمت مسلمہ کو متحد و متفق ہو کر دین اسلام کو جسے تو پسند کرتا ہے، سب باطل ادیان پر غالب کرنے کی توفیق عطا فرما۔ تو ہم سے تاریکیوں کے پردے اُٹھا دے اور اپنے لطف و کرم کے دروازے کھول دے۔ آمین ثم آمین!

بستہ درہارا برویم باز کن
خاک راہا قدسیاں ہمراز کن
آتشے برسینہ مابر افروز
عود رابگزر و ہیزم رابسوز
آ نیم جاودانی کن مرا
از زمینی آسمانی کن مرا
ضبط در گفتار و کردارے بدہ
جادذہ ہا پیدا است رفتار رے بدہ

آمین ثم آمین

حج کا سفر۔ روانگی سے طواف وداع تک

﴾ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ﴿

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، جو ہر صاحب استطاعت مسلمان مرد اور عورت پر عمر میں ایک بار فرض ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: ''لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو شخص منکر ہو، تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہاں والوں سے بے پرواہ ہے۔'' (آل عمران)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

یا رسول اللہؐ! اعمال میں سب سے افضل کون سا عمل ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لانا۔

اس شخص نے پھر پوچھا: یا رسول اللہؐ! اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے۔

فرمایا: حج مبرور۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے حج کیا اور لغو باتیں نہ کیں، اور نہ فسق و فجور کے کام کئے، تو وہ حج کے بعد ایسا ہو گیا، جیسے اپنی ماں کے بطن سے آج ہی پیدا ہوا۔''

حج کے سفر کے لئے بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ حج کے لئے پاکیزہ حلال کمائی سے انتظام کرنا چاہیے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ جب آدمی پاکیزہ زادِ راہ کے ساتھ حج اور عمرہ کے لئے نکلتا ہے اور اپنا پاؤں سواری کی رکاب میں رکھ کر ''لبیک'' کہتا ہے، تو اس کو آسمان سے پکارنے والے جواب دیتے ہیں کہ تیری ''لبیک'' قبول۔ تجھ پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ (مگر) جب آدمی حرام کمائی کے ساتھ اس مبارک سفر پر نکلتا ہے اور سواری کی رکاب میں پاؤں رکھ کر ''لبیک'' کہتا ہے، تو آسمان سے ندا دینے والے جواب دیتے ہیں کہ تیری ''لبیک'' قبول نہیں۔ نہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ (اس لئے کہ) تیرا زادِ سفر حرام۔ تیری کمائی حرام، اور تیرا حج اور عمرہ نامقبول ہے۔

حاجی کو چاہیے کہ روانگی سے پہلے گھر میں دو رکعت نماز توبہ پڑھ کر، اور آئندہ کے لئے اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا عہد کرے اور حج کی نیت کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے سفر کی آسانی اور قبولیت کی دعا کرے اور اپنے گھر والوں کو اللہ کی پناہ میں دے کر رخصت ہو۔ (جو لوگ حج قرآن کے لئے

روانہ ہوں، وہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کریں) احرام گھر سے چلتے وقت بھی باندھ سکتے ہیں۔ کیونکہ ہرحال میں میقات سے احرام کے ساتھ گزرنا واجب ہی۔(اہل پاکستان کے لئے میقات یلملم ہے یہ ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے تقریباً 32 میل دور جنوب کی جانب ہے، آج کل یہ سعدیہ کے نام سے مشہور ہے) عورتوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سلے ہوئے کپڑے پہنے رہیں، البتہ سر کے بالوں کو ایک رومال سے باندھ لیں، لیکن پیشانی نہ چھپے۔

احرام باندھ کر ایک بار تلبیہ (بلند آواز سے) پڑھنا شرط ہے۔تین دفعہ کی تکرار سنت ہے۔ عورت کے لئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔سفر حج میں ہر نئے حالات میں تلبیہ پڑھنا مستحب ہے۔مثلاً سوار ہوتے وقت، سواری سے اترتے وقت، اونچی جگہ چڑھتے وقت نشیب میں اُترتے وقت، سوتے ہوئے آنکھ کھلنے پر، فرائض ونوافل کے بعد، کسی سے ملاقات کے وقت۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر حاجی اپنا سامان رہائش گاہ یا ہوٹل میں رکھ کر غسل یا وضو کریں۔پھر عمرہ کے لئے تلبیہ پڑھتے ہوئی حرم شریف میں داخل ہوں۔داخل ہوتے وقت "**بسم الله والحمدالله والصلوٰة والسلام علىٰ رسول الله ﷺ**" کہہ کر دایاں پاؤں اندر رکھنا چاہیے پھر وہ دعا پڑھنی چاہیے جو مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے۔جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو اپنی نظریں اس پر جما دیں اور نہایت عجز و نیاز کے ساتھ اپنے لئے اور امت مسلمہ کی بھلائی کے لئے دعا مانگیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف ایک ساعت دیکھنا ثواب کے اعتبار سے ایک سال کی عبادت کے مانند ہی۔

بیت اللہ کا طواف

طواف کا طریقہ یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دے کر، یا دونوں ہاتھ اٹھا کر اشارہ یعنی استلام کر کے بیت اللہ شریف کے دروازے کی جانب طواف کا آغاز کرے اور مسنون دعاؤں کے ساتھ خانہ کعبہ کے سات چکر پورے کرے۔طواف کے چند اہم مسائل یہ ہیں:

(1) طواف کے دوران دایاں کندھا ننگا رکھیں (احرام کی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر اس کے دونوں پلو بائیں کندھے پر ڈال لیں، اس طرح دایاں کندھا ننگا رہے گا) آٹھویں استلام کے بعد دایاں کندھا ڈھانپ لیں۔(اس کو اضطباغ کہتے ہیں)

(2) طواف کے دوران حطیم کے اندر سے نہ گزریں۔

(3) پہلے تین پھیروں میں رمل کرے یعنی جلدی جلدی قدم اٹھائے، مگر نزدیک نزدیک اور کندھوں کو ہلاتا رہے۔

(4) طواف کے دوران دعاؤں اور اذکار کا آہستہ پڑھنا مستحب ہے، تا کہ دوسرے لوگ بھی سکون سے یہ عبادت کر سکیں۔

(5) ملتزم (یعنی حجر اسود اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے درمیان دیوار) سے لپٹ کر خوب دعائیں مانگیں۔

(6) ساتویں چکر کے بعد حجر اسود کو آٹھواں استلام کریں اور داہنا کندھا ڈھانپ کر مقام ابراہیمؑ کے قریب دو نفل پڑھیں۔ اس کے بعد آب زم زم پئیں۔ یہ مستحب ہے۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی

طواف کعبہ کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ اس سعی کے پہلے چار چکر فرض اور آخری تین واجب ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان جہاں سبز بتیوں والے ستون آئیں وہاں تیز تیز چلنا چاہیے۔ البتہ عورتیں معمول ہی کی رفتار سے چلیں۔ سبز بتیوں کا یہ درمیانی راستہ بھی قبولیت دعا کا مقام ہے۔ اس جگہ میں حضور اکرم ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: ترجمہ: (یا اللہ! بخشش اور رحمت فرما تو بڑا عزت والا، اور بڑا ہی کرم فرمانے والا ہے۔) مروہ پر پہنچ کر ایک چکر مکمل ہو جاتا ہے۔ (صفا اور مروہ، یہ دونوں بھی قبولیت دعا کا مقام ہیں) پھر مروہ سے صفا کی طرف آئیں۔ اس طرح ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ اس سعی سے فارغ ہو کر اپنے سر کے بال منڈوائیں۔ اب آپ کا عمرہ مکمل ہو گیا۔ اب آپ کے پاس وقت ہو تو آپ خانہ کعبہ کے جس قدر طواف کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ اب صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ضرورت نہیں ہوگی۔

منیٰ کی طرف روانگی

8۔ ذوالحجہ ارکان حج کی ادائیگی کے لئے روانگی کا دن ہے۔ جن لوگوں نے نیت کے وقت افراد یا قران کا احرام تھا، وہ اپنے سابق احرام ہی میں رہیں، اور تمتع کا احرام باندھنے والے نیا احرام باندھ کر سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔

یہاں ضروری محسوس ہوتا ہے کہ حج افراد، حج قران اور حج تمتع کے بارے میں کچھ معلومات ذہن نشین ہوں، کیونکہ ان کا ذکر آگے بھی آئے گا۔

حج افراد

اس کے معنی اکیلا کرنے کے ہیں۔ یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ نہ کرے۔ اہل حل اور اہل حرم

کے لئے ہی یہ حج ہے۔

حج قران

اس کے لفظی معنی دو چیزوں کو ملانے کے ہیں۔حج کے ساتھ عمرہ کو بھی اول سے ہی جمع کرے۔دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھے،اور حج وعمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کرے۔

حج تمتع

اس کے لفظی معنی نفع اٹھانے کے ہیں۔حج کے ساتھ عمرہ کو جمع کرنا۔حج کے مہینوں میں میقات سے گزرنے سے پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور صرف عمرہ کی نیت کرے۔مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کرے اور احرام اتار دے اور وہیں قیام کرے۔8 ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ میں حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال کرے۔ایسا کرنے والے کو متمتع کہتے ہیں۔چونکہ تمتع کرنے والے کے لئے طواف قدوم نہیں ہے،اس لیے یہ طواف زیارت میں رمل کرے اور سعی کرے۔

منیٰ مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔مسنون طریقہ یہ ہے کہ 8 ذوالحجہ کو ظہر کی نماز سے قبل منیٰ پہنچ جائیں،اور ظہر،عصر،مغرب،عشا اور نویں ذوالحجہ کی نماز فجر منیٰ میں ادا کریں۔یہاں قیام کے دوران کثرت سے ذکر الٰہی کریں،تلبیہ پڑھیں اور استغفار کریں۔

وقوف عرفات

9۔ذوالحجہ کو فجر کی نماز منیٰ میں ادا کرنے بعد خوب دعائیں مانگیں اور سورج طلوع ہونے کے بعد میدان عرفات کی جانب روانہ ہو جائیں۔یہ میدان منیٰ سے تقریباً 11 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔راستے میں بلند آواز سے تلبیہ اور تکبیرات کہتے رہیں۔9۔ذوالحجہ کو دن کے وقت یا اس کے بعد آنے والی رات میں کسی بھی وقت میدان عرفات میں قیام کرنا فرض ہے۔یہ حج کا رکن اعظم ہے۔اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔وقوف عرفات کا وقت 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

وادی نمرہ میں چونکہ ٹھہرنے کا انتظام نہیں اور تمام خیمے عرفات ہی میں لگے ہوئے ہیں،اس لئے عرفات میں اپنے خیموں میں چلے جائیں اور زوال سے قبل تیار ہو کر مسجد نمرہ میں پہنچ جائیں اور خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھیں۔یہاں یہ دونوں نمازیں امام کے پیچھے قصر پڑھی جائیں گی۔نماز سے فارغ ہو کر عرفات میں غروب آفتاب تک قیام کیا جائے گا۔

عرفات سے مزدلفہ

مزدلفہ عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مقام ہے۔عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے راستے

میں مغرب کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ آج مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک ہی تکبیر کے ساتھ ادا ہوں گی ۔یہ رات مزدلفہ میں قیام کریں اور رات کے وقت منیٰ میں شیطان کو مارنے کے لئے کنکریاں چن کر لفافہ یا تھیلی میں رکھ لیں ۔یہاں رات کا زیادہ حصہ ذکر اذکار جاری رکھیں ۔

10 ۔ذوالحجہ کو مزدلفہ سے منیٰ آ کر سب سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کریں ،یعنی سات کنکریاں ماریں ۔اس کے بعد قربانی (یعنی دم شکرانہ) کریں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں ۔

مسجد خیف سے آگے جمرہ اولیٰ ،پھر جمرہ وسطیٰ اور آخر میں جمرہ عقبہ ہے ۔کنکریاں مارنے کا وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے ،لیکن مباح وقت بلا کراہت مغرب تک ہے ۔کنکریاں مارنے سے پہلے تلبیہ پڑھنا بند کریں ۔جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر جو قربانی (یعنی دم شکرانہ) کی جاتی ہے ،یہ قربانی اس کے علاوہ ہے ،جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت میں 10 ذوالحجہ کو کی جاتی ہے ۔

اگر حاجی مقیم ہے اور صاحب نصاب ہے تو اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے ۔لہٰذا وہ دو قربانیاں کرے ۔ایک کی نیت دم شکرانہ کی ،اور دوسری سنت ابراہیمی کی ۔لیکن اگر حاجی مسافر ہے ،یعنی 8 ذوالحجہ سے پہلے اس کا قیام مکہ مکرمہ میں 15 دن یا اس سے زیادہ نہیں رہا ،تو مسافر ہونے کی وجہ سے عید الضحیٰ کی قربانی اس پر واجب نہیں ،اگر وہ کرے ،تو مستحب اور ثواب ہے ۔

قربانی کے بعد قبلہ رُخ بیٹھ کر اپنا سر منڈوائیں ۔اس کے بعد نہا دھو کر معمول کے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر طواف زیارت کے لئے بیت اللہ شریف آ جائیں ۔جن حضرات نے منیٰ روانہ ہونے سے پہلے حج کی سعی نہیں کی تھی ،انہیں اس طواف کے بعد سعی کی ضرورت نہیں ،ان کے لئے وہ سعی کافی ہے ،جو انہوں نے طواف قدوم کے ساتھ کی تھی ۔حج تمتع کے احرام والے حاجی طواف زیارت کے بعد دو نفل واجب طواف پڑھنے کے بعد سعی بھی کریں گے ۔(یہاں حج و عمرہ کا طریقہ اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے ،مزید تفصیل کسی کتاب سے بھی حاصل ہو سکتی ہے ۔)

(بشکریہ نوائے وقت)

اسلامی آداب سیاست

(مولانا امین اصلاحی)

نبی کریمؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے جو دین بھیجا وہ جس طرح ہماری انفرادی اور ذاتی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے۔ جس طرح وہ عبادت کے طریقے بتاتا ہے، اسی طرح وہ سیاست کے اصول اور قانون بھی سکھاتا ہے۔ اور جیسا تعلق اس کا مسجد سے ہے، اتنا ہی تعلق اس کا حکومت سے بھی ہے۔ اس دین کو ہمارے نبی کریمؐ نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی۔ اور ایک وسیع ملک کے اندر اس کو عملی طور پر جاری اور نافذ کر کے بھی دکھایا۔ اس وجہ سے حضور اکرمؐ کی زندگی جس طرح بہ حیثیت ایک تزکیہ نفس کرنے والے مزکی اور اخلاق سکھانے والے معلم کے، ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اسی طرح بہ حیثیت ایک ماہر سیاست اور مدبر کامل کے بھی اسوہ اور مثال ہے۔

نبی کریمﷺ نے 23 سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم اور تبلیغ سے اس قوم کے مختلف طبقوں اور عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ پوری قوم سیسہ پلائی دیوار بن گئی۔ اپنے صدیوں پرانے جھگڑے اور اختلافات ختم کر کے نہ صرف خود منظم اور متحد ہو گئی بلکہ پوری انسانیت کو اتحاد اور تنظیم کا درس دیا۔ اس کے اندر حکم اور اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں ابھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں بلکہ واقعات کی زبان میں اس نے بلا استثنا دنیا کی ساری قوموں کو سیاست اور جہاں بانی کا درس دیا۔

حضورﷺ کی اس تنظیم اور جماعت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصولی، اور انسانی تنظیم تھی۔ اس کے بنانے میں حضورﷺ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصّبات کی بے جا حمایت اور طرفداری سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ دنیا کے فائدوں کا کوئی لالچ دیا اور نہ کسی دشمن کے ہونے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے سیاستدان گزرے ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے انہی چیزوں اور محرکات سے کام لیا ہے۔

اگر حضور ﷺ بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی۔ لیکن آپؐ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا۔ اور ہر فتنے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپ ﷺ نے قوم کو صرف خدا کی بندگی و اطاعت۔ عالمگیر انسانی بھائی چارے۔ ہمہ گیر عدل اور انصاف۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا۔

یہ محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کی کوششوں اور مساعی سے دنیا کی قوموں میں ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ "تم دنیا کی ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اٹھائے گئے ہو" (آل عمران۔١١٠)

حضور ﷺ کی سیاست اور تدبر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جن اصولوں کے داعی بن کر اٹھے، اگر چہ وہ فرد، معاشرہ اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے، اور ذاتی اور اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطے میں آتا ہے لیکن آپؐ نے اپنے کسی اصول کے مقابلے میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی۔ نہ دشمن کے مقابل میں نہ دوست کے مقابل میں۔ آپ کو سخت سے سخت حالات سے واسطہ پڑا۔ لیکن آپ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے کسی سختی سے دب کر کسی اصول کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ گوارا نہیں کیا۔ اسی طرح آپؐ کے سامنے پیش کشیں بھی کی گئیں۔ آپ ﷺ کو مختلف دینی اور دنیاوی مصلحتیں بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز آپ کو مرعوب یا متاثر نہ کر سکی۔ چنانچہ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پر پتھر کی لکیر کی طرح ثابت ہوئی۔ دنیا کے سیاست دانوں اور مدبروں میں سے کسی ایسے سیاست دان اور مدبر کا نشان آپ نہیں دے سکتے جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہو سکا ہو۔ کہ اس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اس نے اپنے کسی اصول کے معاملے میں کمزوری نہیں دکھائی یا غلطیوں کی وجہ سے ٹھوکریں نہیں کھائیں۔ لیکن حضور ﷺ نے ایک پورا زندگی کا نظام کھڑا

کردیا جواگر چہ اپنی خوبیوں اور خصوصیات کے لحاظ سے زمانے کے مذاق اور رجحان سے بالکل الگ اور بے جوڑ تھا مگر اس نظام زندگی کے عملاً دنیا میں نافذ ہونے تک کبھی بھی حضوؐر نے اپنے ذاتی مفاد یا مصلحت کی خاطر اپنے کسی اصول میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں فرمائی۔

ہر طرح کے خطرات برداشت کئے۔ ہر طرح کے نقصانات گوارا کئے گئے۔ لیکن اصول کی ہر حال میں حفاظت کی گئی۔ اور آپؐ کو اپنی زندگی میں یہ کہنے کی نوبت کبھی نہیں آئی کہ میں نے دعوت تو دی تھی فلاں اصول کی لیکن اب حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی جگہ فلاں بات بالکل اس کے خلاف اختیار کرلی جائے۔

حضوؐر کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح، ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ جانتے ہیں کہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح اور جائز، بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن اور اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ جو کسی شخص کی ذاتی زندگی میں مکروہ اور حرام قرار دی جاتی ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے جھوٹ بولے۔ چالبازیاں کرے۔ عہد شکنیاں کرے، لوگوں کو فریب دے یا ان کے حقوق غصب کرے تو اگر چہ اس گئے گزرے زمانے میں جبکہ معیار بہت بدل چکے ہیں پھر بھی اخلاق ان چیزوں کو معیوب ٹھہراتا ہے۔ اور قانون بھی ان باتوں کو جرم قرار دیتا ہے لیکن اگر ایک سیاست دان اور مدبر یہی سارے کام کرے تو اس کے فضائل اور کمالات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی میں بھی اس کے اس طرح کے کارناموں پر اس کی تعریفیں ہوتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد بھی اپنے انہی کمالات کی بناء پر وہ اپنی قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ سیاست کے لئے یہی قابلیتیں، صفتیں اور کمالات عربوں میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا جو لوگ باتوں میں شاطر اور چالاک ہوتے، وہی لوگ ابھر کر قیادت کے مقام پر آتے تھے۔

لیکن حضور اکرمؐ نے اپنی ساری زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح ہر شخص کی اپنی انفرادی اور نجی زندگی میں بنیادی اخلاق میں سے بھی ہے۔

اُسی طرح اجتماعی،قومی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے۔بلکہ آپ ﷺ نے ایک عام آدمی کے جھوٹ بولنے کے مقابلے میں ایک حکمران اور بادشاہ کے جھوٹ کو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے،کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے۔اس سیاسی زندگی میں وہ تمام مرحلے آپ ﷺ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جا سکتی ہے۔آپؐ نے ایک لمبا عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گذارا۔اور تقریباً کم وبیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گزارا۔اس دوران آپ ﷺ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور اقتصادی معاہدے کرنے پڑے۔دشمنوں سے کئی جنگیں کرنی پڑیں،عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے۔قبیلوں کے وفدوں سے معاملے کرنے پڑے۔آس پاس کی حکومتوں سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں۔اور سیاسی معاملات کے لئے اپنے وفدان کے پاس بھیجنے پڑے۔بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی طاقتوں کے خلاف فوجی کاروائیاں کرنی پڑیں۔یہ سارے کام آپ ﷺ نے انجام دیئے۔لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے یا دلیل دینے کی کوشش نہیں فرمائی۔کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔

کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔حلیفوں اور دوستوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا اور دشمنوں کے ساتھ بدتر سے بدتر حالات میں بھی انصاف کیا۔اگر آپ دنیا کے مدبروں اور سیاست دانوں کو اس کسوٹی پر جانچیں تو پورے اعتماد اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ محمد ﷺ کے سوا کسی کو بھی آپ اس کسوٹی پر کھرا نہ پائیں گے۔

پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ سیاست میں عبادت کی سی ایمانداری،سچائی اور دیانت قائم رکھنے کے باوجود حضور ﷺ کو اپنی سیاست میں کبھی کسی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا۔اب اس چیز کو چاہے تدبر سمجھیں یا حکمت نبوت۔

حضور ﷺ کی سیاست اور تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپ نے عرب جیسے ملک کے ایک

ایک گوشے میں امن اور انصاف کی حکومت قائم کردی۔ کفار اور مشرکین کا زور آپ نے اس طرح توڑ دیا کہ مکہ کی فتح کے موقع پر حقیقتاً انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپ ﷺ نے خاتمہ کردیا۔ رومیوں کی سرکوبی کے لئے بھی آپ ﷺ نے انتظامات کئے۔ یہ سارے کام آپ ﷺ نے کرڈالے لیکن اس سارے کام کے اندر انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے کی تاریخ بھی یہ شہادت دیتی ہے اور آج کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں، کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہوجاتی ہیں۔ اور مال و اسباب کی بربادی کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن نبیؐ کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب دس لاکھ مربع میل رقبہ میں برپا ہوا۔ اس کی عظمت اور وسعت کے باوجود ان لوگوں کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہے۔ جو اس ساری جدوجہد کے دوران حضور ﷺ کے ساتھیوں میں سے شہید ہوئے یا مخالف گروہ کے آدمی قتل ہوئے۔ (مسلم شہداء ۲۵۵ اور دشمن کے مقتولین کی تعداد ۷۵۹ ہے۔ بحوالہ رحمت اللعالمین۔ قاضی سلمان منصور پوری جلد ۲ ص ۲۶۵)

پھر یہ بات بھی انتہائی اہمیت رکھتی ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہوجاتی ہیں۔ اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ فاتح ملک کی فوجوں نے مفتوح ملک کی سڑکیں اور گلیاں حرام کی نسلوں سے بھر دیں۔ اور اس ستم پہ ستم یہ کہ سیاست کے ماہر اس صورت حال پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے اس کو ہر انقلاب کا ایک ناگزیر نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن محمدؐ کی قیادت میں جو انقلاب رونما ہوا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی کی عزت، عصمت اور ناموس پر دست درازی ہوئی ہو۔

اہل سیاست کے طمطراق، دھوم دھام اور شان و شوکت کو بھی سیاست کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور ایک حکومت کے تحت منظم کرنے کے لئے اٹھتے ہیں وہ بہت سی باتیں اپنوں اور غیروں پر اپنا رعب و دبدبہ اور شان و شوکت جمانے اور رہیبت قائم کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی

تقاضوں میں سے ہیں۔اگر وہ یہ باتیں اختیار نہ کریں گےتو سیاست کے جوتقاضے ہیں وہ ان کو پورا کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔

اسی طرح کے مقاصد سامنے رکھتے ہوئے جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کوجلواور ہمراہی میں چلتے ہیں۔جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں ان کےنعرے بلند کرائے جاتے ہیں۔

جہاں وہ اترتے ہیں ان کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔جلسوں میں ان کے حضور میں ایڈریس پیش کئے جاتے ہیں اوران کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔جب وہ مزید ترقی کرتے جاتے ہیں تو ان کے لئے محل اور ایوان آراستہ کئے جاتے ہیں۔ان کوسلامیاں دی جاتی ہیں ان کے لئے زمینی اور فضائی خاص سواریوں کے انتظامات کئے جاتے ہیں۔جب وہ کسی سڑک پر نکلنے والے ہوتے ہیں تو وہ سڑک دوسروں کے لئے بند کردی جاتی ہے۔اس زمانہ میں ان چیزوں کے بغیر کسی صاحب اقتدار یا کسی سیاست دان کا تصور نہ دوسرے لوگ ہی کرتے ہیں اور نہ کوئی سیاستدان ان لوازم سے الگ خود اپنا کوئی تصور کرتا ہے۔

لیکن ہمارے نبی کریمﷺ اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام سیاست کرنے والوں سے الگ رہے۔جب آپﷺ اپنے صحابہ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب سے پیچھے چلیں مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ محمدﷺ کون ہیں۔کھانا کھانے کیلئے بیٹھتے تو دوزانو ہوکر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں۔اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے۔اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں۔ایک مرتبہ ایک بدو اپنے اس تصور کی بنیاد پر،جوحضورﷺ کے بارے میں اس کے ذہن میں رہا ہوگا،سامنے آیا تو حضورﷺ کو دیکھ کر کانپ گیا۔آپﷺ نے اس کوتسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرو نہیں میری ماں بھی سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔یعنی جس طرح تم نے اپنی ماں کو دیہاتی زندگی میں سوکھا گوشت کھاتے دیکھا ہوگا۔اس طرح سوکھا گوشت کھانے والی ایک ماں کا بیٹا میں بھی ہوں۔نہ آپ کے لئے کوئی خاص سواری تھی،نہ کوئی محل،نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا۔آپﷺ جو لباس دن میں پہنتے اسی میں رات کو آرام فرماتے اور تمام سیاسی امور کے فیصلے فرماتے۔یہ خیال نہ فرمائیے کہ اس زمانے میں

سیاست اس رعب ودبدبہ اور ٹھاٹ باٹھ سے آشنا نہیں ہوئی تھی جس طمطراق اور جس ٹھاٹ باٹھ کی اب وہ عادی ہوگئی ہے۔ جولوگ یہ خیال کرتے ہیں ان کا خیال بالکل غلط ہے۔سیاست اور اہل سیاست کی تانا شاہی اور ٹھاٹ باٹھ ہمیشہ سے یہ ہی رہے ہیں فرق اگر ہوا ہے تو محض ظاہری باتوں میں ہوا ہے۔البتہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا۔جس میں دنیا کے رعب ودبدبہ کی بجائے خلافت الٰہی کا جلال اور ٹھاٹ باٹھ کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا۔لیکن اس سادگی، فقر اور درویشی کے باوجود ان کے دبدبے اور ان کو شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم اور شام کے بادشاہوں پر اس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

نبی ﷺ کی سیاست اور آپ کے تدبر کا ایک یہ پہلو بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ نے اپنی مبارک زندگی ہی میں ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی تربیت کر کے تیار کردی جو آپ ﷺ کے پیدا کئے ہوئے انقلاب کو اس کے اصلی مزاج کے مطابق آگے بڑھانے، اس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی اور سیاسی زندگی میں اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے پوری طرح اہل تھی۔چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے تمام ممالک میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس زمین کے تین براعظموں میں اس نے جڑیں جمالیں۔اور اس پھیلاؤ کے باوجود اس کی قیادت کے لئے موزوں اور اہل آدمیوں کی کبھی کمی محسوس نہیں ہوئی۔اور یہ تین براعظم جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق یہ حقیقت بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے اندر وحشی قبیلے آباد نہیں تھے۔بلکہ اس وقت کی نہایت ترقی یافتہ جبار وقہار بادشاہتیں تھیں۔لیکن اسلامی انقلاب کی موجوں نے عرب کے جزیرے سے اٹھ کر ان کو ان کی جڑوں سے اس طرح اکھاڑ پھینکا گویا زمین میں ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی۔اور ان کے ظلم وستم کی جگہ ہر گوشے میں اسلامی تہذیب کی برکتیں پھیلا دیں جن سے دنیا صدیوں تک فائدہ حاصل کرتی رہی۔دنیا کے تمام مدبروں اور اہل سیاست کی پوری فہرست پر نگاہ ڈال کر غور کیجئے کہ ان میں کوئی بھی شخص ایسا نظر آتا ہے جس نے

اپنے دو چار ساتھی بھی ایسے بنانے میں کامیابی حاصل کی ہو جو اس کے فکر، فلسفے، اس کے پروگرام اور اس کی سیاست کے ان معنوں میں عالم اور عمل کرنے والے رہے ہوں جن معنوں میں رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے عالم اور اس پر عمل کرنے والے ہزاروں صحابہ کرامؓ تھے؟

محترم قارئین! آخر میں ایک بات بطور تنبیہہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ نبی ﷺ کا اصلی مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپؐ نبی خاتم اور پیغمبر عالم ہیں۔ سیاست اور تدبر اس بلند مرتبے کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ جس طرح ایک حکمران کی زندگی پر ایک تحصیلدار کی زندگی کے زاویے سے غور کرنا ایک بالکل ناموزوں بات ہے، اس سے زیادہ ناموزوں بات شائد یہ ہے کہ ہم سید کونین ﷺ کی زندگی پر ایک ماہر سیاست یا ایک مدبر کی زندگی کی حیثیت سے غور کریں۔ نبوت اور رسالت ایک عظیم عطیہ الٰہی ہے۔ جب یہ عطیہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بخشتا ہے، تو وہ سب کچھ اس کو بخش دیتا ہے، جو اس دنیا میں بخشا جا سکتا ہے۔ پھر حضورؐ تو صرف نبی ہی نہیں تھے، بلکہ خاتم الانبیاء تھے۔ صرف رسول ہی نہیں تھے بلکہ سید الرسل تھے۔

صرف اہل عرب ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور آپ کی تعلیم اور ہدایت صرف کسی خاص مدت ہی کے لئے نہیں تھی، بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی تھی۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ حضورؐ کسی رہبانیت کے مذہب کے داعی بن کر نہیں آئے تھے، بلکہ ایک ایسے دین کے داعی تھے، جو روح اور جسم دونوں پر حاوی اور دنیا و آخرت دونوں کے حسنات کا ضامن تھا۔ جس میں عبادت کے ساتھ سیاست، درویشی کے ساتھ حکمرانی کا جوڑ محض اتفاق سے پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ بلکہ یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا تھا۔ جب صورتحال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ سے بڑا سیاست دان اور مدبر کون ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ چیز آپؐ کا اصلی کمال نہیں۔ بلکہ جیسے کے عرض کیا گیا۔ آپؐ کے فضائل و کمالات کا محض ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ (اقتباس)

حضرت اُسامہ بن زیدؓ ۔ محبوب رسول ﷺ

﴿ طالب الہاشمی ﴾

۱۱ھ ہجری میں رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے وصال سے چند دن پہلے حدود شام کی طرف بھیجنے کے لیے ایک لشکر مرتب فرمایا۔ سات سو مجاہدین پر مشتمل اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت سعیدؓ بن زید کے علاوہ اور بھی بہت سے عظیم المرتبت صحابہ اکرامؓ شامل تھے جو سب جذبہ شہادت سے سرشار تھے لیکن جب سرورِ دو عالم ﷺ نے اس لشکر کی قیادت کے لئے ایک اٹھارہ انیس سالہ نوجوان کو منتخب فرمایا تو کچھ لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ ایک نوعمر مجاہد کو مہاجرین اولین پر افسری کا استحقاق کیسے حاصل ہو گیا ہے۔ حضورؐ کو ان کے استعجاب کی خبر ہوئی تو آپؐ علالت طبع کے باوجود سر پر پٹی باندھے ہوئے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہو کر ایک پر جلال خطبہ دیا جس میں فرمایا:۔

''لوگو! تم نے اس مہم کے قائد کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، مجھ کو اس کی اطلاع مل گئی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، اس سے پہلے تم اس کے باپ کے بارے میں ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہو۔ خدا کی قسم وہ بھی افسری کا مستحق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی افسری کا مستحق ہے۔ وہ مجھ کو بہت محبوب تھا اور یہ بھی ہر خوش گمانی کے قابل ہے۔ اس لیے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کرو کہ وہ تمہارے بہترین آدمیوں میں سے ہے۔''

حضورؐ کے ارشادات مقدسہ نے لوگوں کو مبہوت کر دیا اور وہ بے اختیار پکار اٹھے: ''یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے فیصلے پر راضی ہیں اور اس نوجوان کی قیادت سب کو دل و جان سے منظور ہے۔'' یہ خوش بخت جن کے بارے میں سید المرسلین فخر موجودات خیر الانام ﷺ نے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ وہ افسری کے سزاوار اور ہر نیک گمانی کے لائق ایک بہترین مسلمان ہیں۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ تھے۔

سیدنا حضرت اُسامہ بن زیدؓ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابومحمد بھی تھی اور ابوزید بھی اور وہ بنو قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن پاک میں ہے۔حضرت زیدؓ سرورِ عالم ﷺ کے آزاد کردہ غلام، منہ بولے بیٹے اور سب سے پہلے ایمان لانے والی چار ہستیوں میں سے ایک تھے۔ان کے جذبہ فدویت اور دوسرے اوصاف ومحاسن کی بناء پر حضورؐ ان کو اس قدر عزیز جانتے تھے کہ وہ "حب رسول اللہؐ" (رسول اللہؐ کے محبوب) کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔حضرت اُسامہؓ کی والدہ برکتہؓ جو تاریخ میں اپنی کنیت ام ایمن سے مشہور ہیں۔رسول اکرم ﷺ کے عہد طفلی میں آپؐ کی کھلائی تھیں۔اس لیے حضورؐ ان کی بیحد تعظیم وتکریم فرماتے تھے اور ان کو "امی" کہہ کر مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُسامہؓ ۷ بعد بعثت مکہ میں پیدا ہوئے۔ماں باپ دونوں شمع رسالتؐ کے پروانے تھے اور سید الانامؐ انہیں اپنے گھر کے افراد کی طرح سمجھتے تھے، اس لیے حضرت اُسامہؓ نے پہلے دن ہی سے اسلام کے بابرکت ماحول میں پرورش پائی۔بقول حافظ ابن حجرؒ وہ اسلام کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔

۱۴ بعد بعثت میں سرورِ عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔اس وقت حضرت اُسامہؓ کی عمر سات برس کے قریب تھی۔وہ اپنی والدہ حضرت ام ایمن کے ساتھ مکہ ہی میں مقیم رہے۔البتہ ان کے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ ۱۳ بعد بعثت کے اواخر میں حضورؐ کے ایماء پر ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے۔ہجرت نبویؐ کے چند ماہ بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو مکے بھیجا۔وہ ام المومنین حضرت سودہؓ، اور حضورؐ کی دو صاحبزادیوں حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت ام کلثومؓ کے علاوہ حضرت ام ایمنؓ اور حضرت اُسامہؓ کو بھی اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اُسامہؓ نے ہجرت کا شرف سرورِ عالم ﷺ کی معیت میں حاصل کیا لیکن یہ صحیح نہیں۔سفر ہجرت میں حضورؐ کی ہم رکابی کا شرف صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو حاصل ہوا۔عہد رسالت کے ابتدائی غزوات کے وقت حضرت اُسامہ کم عمر تھے۔ان غزوات میں شریک ہونے کے آرزومند تھے، لیکن اُن کی کم عمری کے پیش نظر حضورؐ نے اجازت نہ دی۔تاہم آپؐ کا سحاب لطف وکرم حضرت اُسامہؓ پر ہمیشہ برستا رہتا تھا۔حضورؐ کے نواسے سیدنا حضرت حسنؓ ۳ھ میں اور سیدنا حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ہجرت

کے پہلے سال حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی حریم نبوی میں آ چکی تھیں ۔یہ تمام ہستیاں حضورؐ کو بہت محبوب تھیں،لیکن آپؐ اپنی محبت اور شفقت میں حضرت اُسامہؓ کو بھی برابر شریک رکھتے تھے۔

وہ اگر چہ دس گیارہ برس کے ہو گئے تھے،لیکن کاشانہ نبویؐ میں آزادانہ آتے جاتے تھے۔ حضورؐ کبھی کبھی ازراہ شفقت ان سے مزاح بھی فرماتے تھے ۔طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اُسامہؓ کاشانہ نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے ۔حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی موجود تھیں ۔حضورؐ حضرت اُسامہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''عائشہ اگر یہ لڑکی ہوتا تو میں اس کو خوب زیور پہناتا اور بناتا سنوارتا تا کہ اس کے حسن و جمال کی شہرت ہوتی اور لوگ جگہ جگہ سے اس کے رشتے کے لیے پیغام بھیجتے۔''

ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ دروازے کی چوکھٹ پھلانگتے ہوئے گر پڑے اور ران کے ماتھے سے خون بہنے لگا،حضورؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اس کا خون صاف کرو ۔انہوں نے خون سے کچھ کراہت محسوس کی تو آپؐ نے خود اٹھ کر صاف کر دیا اور زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا۔

مسند احمدؒ میں خود حضرت اُسامہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ مجھے پکڑتے اور اپنی ران پر بٹھاتے اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کو پکڑتے اور اپنی بائیں ران پر بٹھاتے پھر ہم دونوں کو ملا کر دعا کرتے:

''الٰہی میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں تو بھی ان پر رحم فرما۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ وضو فرماتے تو حضرت اُسامہؓ کو اکثر پانی ڈالنے کی سعادت نصیب ہوتی تھی ۔حضورؐ ان کو اکثر سفر میں بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

۵ ہجری میں غزوہ بنو مصطلق کے موقع پر افک کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔اس میں عبداللہ بن ابی اور بعض دوسرے لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ناپاک تہمت لگائی اس تہمت طرازی سے حضورؐ کو قدرتاً ملال ہوا۔گو ام المومنینؓ کی بے گناہی تسلیم تھی،لیکن تہمت لگانے والوں کا منہ بند کرنے کے لیے تحقیق ضروری تھی، چنانچہ آپؐ نے اس سلسلہ میں بعض صحابہؓ و صحابیاتؓ سے مشورہ کیا۔ان میں بارہ سالہ حضرت اُسامہؓ بھی شامل تھے ۔چونکہ کاشانہ نبویؐ میں ان کا گھر کے افراد کی طرح آنا جانا تھا،اس لیے ان کی رائے خاص اہمیت کی حامل تھی ۔حضرت اُسامہؓ نہایت صادق القول تھے ۔انہوں نے پرزور طریقے سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاکدامنی اور

ارفع واعلیٰ کردار کی شہادت دی۔ساتھ ہی حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ بالکل ملول نہ ہوں،اللہ تعالیٰ خودتہمت طرازوں کے جھوٹ کا پردہ چاک کردے گا۔

حضرت اُسامہؓ کا قیاس درست ثابت ہوا اور آیات برات نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے ام المومنینؓ کی پاک دامنی کی تصدیق کردی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اُسامہؓ کو بارگاہ نبویؐ میں جو خصوصیت حاصل تھی اس کی بناء پر منافقین ان سے بہت حسد کرتے تھے اور ان کے نسب میں تہمت لگاتے تھے۔حضورؐ تک ان کی باتیں پہنچتیں تو آپؐ کو بہت رنج ہوتا۔اسی زمانے میں ایک دن عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس مجزز مدلجی (یا اسلمی) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس وقت حضرت اُسامہؓ اپنے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ ایک چادر اوڑھے سو رہے تھے۔دونوں کے پاؤں البتہ چادر سے باہر تھے۔ مجزز نے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ پیر ایک دوسرے سے پیدا ہیں۔یہ سن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے، ہنستے ہوئے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم نے سنا مجزز نے ابھی اُسامہؓ اور زیدؓ کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ ایک دوسرے سے پیدا ہیں۔شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ حضورؐ کی مسرت کا یہ سبب تھا کہ مجزز نے جو کچھ کہا اس کی وجہ سے حاسدوں کے منہ بند ہو گئے۔کیونکہ ان کے نزدیک قیافہ شناسوں کی باتیں الہام کا درجہ رکھتی تھیں،ورنہ حضورؐ کی شان اس سے بہت بلند تھی کہ آپؐ کو قیافہ شناسوں کی احتیاج ہو۔

حضرت اُسامہؓ کی عمر ۱۴ برس کی ہوئی تو حضورؐ نے انہیں زینبؓ بنت حنظلہ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کردیا،لیکن دونوں میاں بیوی میں بن نہ آئی اور علیحدگی ہوگئی۔اس کے بعد حضورؐ نے ان کی شادی حضرت نعیمؓ بن عبداللہ النحام عدوی کی صاحبزادی سے کردی۔ان کے بطن سے ابراہیم بن اُسامہؓ پیدا ہوئے۔ایک مرتبہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے کتان کا کپڑا حضورؐ کو ہدیہ میں دیا۔آپؐ نے یہ حضرت اُسامہؓ کو عنایت فرما دیا۔ایک دن ان سے پوچھا کہ تم کتان کیوں نہیں پہنتے۔انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہؐ میں نے بیوی کو دے دیا۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اچھا تو اس سے کہہ دو کہ نیچے سینہ بند پہن لے ورنہ بدن دکھائی دے گا۔'' ایک مرتبہ ذی یزن نے حالت شرک میں ایک بیش قیمت حلہ ہدیۃً بھیجا۔آپؐ نے فرمایا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں

کرتا، لیکن میں اب تم سے قیمتاً لے لیتا ہوں، چنانچہ پچاس دینار میں خرید لیا اور ایک دن پہن کر حضرت اُسامہؓ کو عطا کر دیا۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ ۷ھ کے اوائل میں خیبر فتح ہوا تو حضورؐ نے حضرت اُسامہؓ کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔ یہ وظیفہ اس زمین کے ایک حصے کے پھلوں اور پیداوار کی صورت میں تھا جو حضورؐ کو فتح خیبر کے بعد فے میں ملی۔ اس کے انتظام کے لیے وہ اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔

حضرت اُسامہؓ پندرہ برس کے ہوئے تو حضورؐ نے انہیں ایک اہم مہم کا امیر بنا کر حرقہ (حرقات جہینہ) کی طرف بھیجا۔ تاریخ میں یہ مہم سریہ حرقہ (حرقات) کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہم میں ناتجربکاری کے باعث ان سے ایک غلطی سرزد ہوگئی۔ جس پر ہمیشہ متاسف اور نادم رہے۔ صحیح بخاری میں خود ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا۔ صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا تو وہ ہم سے شکست کھا کر بھاگے۔ میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا پیچھا کیا۔ جب وہ ہماری زد میں آ گیا تو کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔ اس پر میرے ساتھی نے ہاتھ روک لیا، لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس آئے اور حضورؐ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا۔ ''اُسامہ تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا حالانکہ وہ کلمہ شہادت پڑھتا تھا۔''

میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ اس نے محض جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔''

حضورؐ نے میرا عذر رد فرما دیا اور بار بار اپنا یہ ارشاد دہراتے رہے کہ تم نے ایک شخص کو کلمہ شہادت پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا۔ مجھ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا ''کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔''

یہ سریہ باختلاف روایت ۷ھ یا ۸ھ میں پیش آیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت اُسامہؓ کے ہاتھ قتل ہونے والے شخص کا نام مرداس بن نہیک تھا۔

رمضان المبارک ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو حضرت اُسامہؓ کو رحمت دو عالم ﷺ کا ردیف بننے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ مکہ معظمہ کی فتح کے بعد بیت اللہ میں داخل ہوئے تو حضرت اُسامہؓ حضورؐ کی سواری (ناقہ) پر آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت

عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت بلالؓ آپؐ کے جلو میں تھے۔

فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے مختصر مدت کے لیے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بنومخزوم کی ایک عورت سے (جس کا نام بعض روایات میں فاطمہ بنت اسود آیا ہے۔) چوری کی لغزش سرزد ہوگئی۔ (باختلاف روایت اس نے کسی کا زیور چوری کرلیا یا حضورؐ کے کاشانہ اقدس سے ایک چادر چرالی) اور وہ پکڑی گئی۔ بنومخزوم کے لوگ گھبرائے ہوئے حضرت اُسامہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس خاتون کی سفارش کریں۔ حضرت اُسامہؓ نے ان کی بات مان لی اور حضورؐ سے التجا کی کہ اس خاتون سے رعایت فرمائی جائے۔ حضرت اُسامہؓ حضورؐ کو بے حد محبوب تھے۔ لیکن حدود اللہ کا معاملہ تھا۔ اس لیے حضرت اُسامہؓ کی بات سن کر حضورؐ کے روئے انور پر تکدر کے آثار نمودار ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: ''اُسامہ، کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے بارے میں (رعایت کی) گفتگو کرتے ہو؟''

حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت اُسامہؓ لرز اُٹھے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے لئے مغفرت طلب فرمایئے۔'' شام ہوئی تو حضورؐ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

امابعد! پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف (معزز یا امیر) آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور (معمولی) آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔''

چنانچہ اس خاتون پر حد جاری کی گئی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی زندگی میں یکسر انقلاب آ گیا اور اس نے اپنی توبہ کو نہایت پرہیزگاری اور استقامت کے ساتھ نبایا۔

۱۱ھ ہجری میں سرورِ دو عالم ﷺ نے اپنے وصال سے چند دن سے پہلے حضرت اُسامہؓ کو اس جیش کا افسر مقرر فرمایا جو آپؐ نے اس غرض سے ترتیب دیا تھا کہ ایک تو سریہ موتہ (۸ھ) کا انتقام لیا جائے جس میں حضرت اُسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ کے علاوہ حضرت جعفرؓ بن

ابی طالب، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور کئی دوسرے صحابہؓ نے جامِ شہادت پیا تھا اور دوسرے یہ کہ شام سے ملنے والی سرحد فتنہ وفساد سے محفوظ ہو جائے۔ کچھ لوگوں نے ان کی امارت پر استعجاب کا اظہار کیا تو حضورؐ کو ناگوار گزرا اور آپؐ نے علیل ہونے کے باوجود باہر تشریف لا کر پُر زور الفاظ میں حضرت اُسامہؓ کو امارت کا اہل ٹھہرایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے دست مبارک سے حضرت اُسامہؓ کو علم عطا فرمایا اور جیش کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس لشکر نے مدینہ منورہ سے چل کر جرف کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اسی دوران میں حضورؐ کی علالت شدت اختیار کر گئی۔ حضرت اُسامہؓ کو اطلاع ملی تو وہ بے تاب ہو کر فوراً مدینہ واپس آئے اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپؐ کی جبین مبارک پر بوسہ دیا حضورؐ بالکل خاموش تھے، تاہم آپؐ نے دُعا کے لیے دستِ مبارک اٹھائے اور حضرت اُسامہؓ پر رکھے۔ انہیں قدرے اطمینان ہو گیا اور وہ واپس جرف چلے گئے۔ دوسرے دن پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپؐ کو افاقہ تھا۔ آپؐ نے حضرت اُسامہؓ کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ انہوں نے واپس جا کر فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن ابھی جرف سے روانہ نہیں ہونے پائے تھے کہ مدینہ منورہ میں سرورِ عالم ﷺ کی علالت نہایت تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ حضرت اُسامہؓ کی والدہ حضرت ام ایمنؓ حضورؐ کے پاس ہی تھیں۔ وہ ہاشمی خاندان کے بہت سے افراد کا وقت آخر دیکھ چکی تھیں۔ حضورؐ کی بیماری میں کچھ ایسی علامات پائیں کہ انہیں یقین ہو گیا اب حضورؐ اس دار فانی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر حضرت اُسامہؓ کے پاس بھیجا کہ حضورؐ ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہیں۔ تم فوراً مدینہ واپس آ جاؤ۔ جونہی حضرت اُسامہؓ کو یہ دلدوز خبر ملی، وہ کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ جرف سے مدینہ منورہ آ گئے۔ حضورؐ نے رحلت فرمائی تو حضرت اُسامہؓ پر قیامت بیت گئی! تاہم بڑے صبر وضبط سے کام لیا اور بڑی سرگرمی سے حضورؐ کی تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اُسامہؓ ان صحابہ میں سے ایک تھے جن کو سید الانام ﷺ کا جسد اطہر قبر مبارک میں اُتارنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؐ کے وصال کی خبر سن کر پورا لشکر جرف سے مدینہ آ گیا اور یہ مہم ملتوی ہو گئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بیعت کے دوسرے ہی دن

حکم دیا کہ جیش اُسامہ تیار ہوکر اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائے ۔خلیفۃ الرسول کی طرف سے منادی نے یہ اعلان کیا۔ "اُسامہؓ کے لشکر کو تیار ہو جانا چاہیے۔تا کید کی جاتی ہے کہ جولوگ اس مہم میں نامزد ہیں۔ان میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ پر بمقام جُرف جمع ہو جائیں۔"

اس سے پہلے کہ لشکر جرف میں جمع ہو اور اس کی روانگی عمل میں آئے ،جگہ جگہ سے عرب قبائل کے ارتداد کی خبریں متواتر مدینہ آنے لگی ۔ان خبروں سے عام مسلمان سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے سرورِ عالمﷺ کے وصال کا جانکاہ صدمہ ابھی تازہ تھا اب جو انہوں نے کثیر التعداد عربوں کے ارتداد اور اپنی قلت تعداد پر نظر ڈالی تو انہیں مناسب یہی معلوم ہوا کہ جیش اُسامہؓ کو اس نازک موقع پر مدینہ منورہ ہی میں روک لیا جائے ۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ سے مشابہت رکھتی تھی جو جاڑے میں بحالت بارش کھلے میدان میں گلہ بان کے بغیر رہ جائے۔

انہی حالات کے پیش نظر بعض صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں عرض کی کہ جو آدمی اُسامہؓ کے لشکر کے ساتھ جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ اور منتخب افراد ہیں ۔ادھر فتنۂ ارتداد جس سرعت سے عرب میں پھیل رہا ہے،اس کا بھی آپ کو بخوبی علم ہے ۔ان حالات میں جیش اُسامہؓ کا مدینہ سے جانا مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کرنے کے مترادف ہے ۔بہتر یہی ہے کہ اس مہم کو کسی آئندہ وقت پر اٹھا رکھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ یقین اور استقامت کے نہایت بلند مقام پر فائز تھے ۔وہ یہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ جس مہم کو خود سرورِ عالمﷺ روانہ ہونے کا حکم دے چکے ہوں،اس کو روک لیں۔ انہوں نے جواب دیا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ۔اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھ کو اٹھا لے جائیں گے تو بھی رسول اللہﷺ کے حکم کی تعمیل میں اُسامہؓ کا لشکر ضرور بھیجتا ۔اگر بستیوں میں میرے سوا ایک شخص بھی باقی نہ رہتا تو بھی میں جیش اُسامہؓ کو ضرور روانہ کرتا۔"

اس کے بعد مجمع عام میں اسی موضوع پر ایک موثر خطبہ دیا اور تیاری لشکر کی تاکید کی ۔چنانچہ

حضرت بریدہؓ بن حصیب اسلمی علم لے کر جرف پہنچ گئے اور باقی لشکر بھی وہاں جمع ہو گیا۔حضرت اُسامہؓ کو اس مہم پر جانے میں کوئی عذر نہ تھا لیکن اس اندیشہ سے کہ ان کے جانے کے بعد دشمن مدینہ پر یلغار کر دیں گے۔انہوں نے جرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیغام بھیجا کہ مجھے اپنی روانگی کے بعد مدینہ منورہ پر دشمن کے حملے کا ڈر ہے،اگر آپ اجازت دیں تو اس مہم کو ملتوی کر کے لشکر کے ساتھ مدینہ آ جاؤں۔

خلیفۃ الرسولؐ نے انہیں وہی جواب دیا جو دوسرے لوگوں کو دیا تھا اسی اثناء میں انصار نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت عمر فاروقؓ کی وساطت سے پیغام بھیجا کہ اگر آپ لشکر ضرور روانہ کرنا چاہتے ہیں تو اس پر اُسامہؓ کے بجائے کسی آزمودہ کار(سن رسیدہ)صحابی کو امیر بنایئے۔حضرت عمر فاروقؓ نے انصار کا پیغام حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سنایا تو وہ غصے سے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:''ابن خطاب،اُسامہؓ کو خود رسول اللہ ﷺ نے امیر لشکر مقرر فرمایا،لیکن تم مجھے یہ پیغام دیتے ہو کہ میں اس کے بجائے کسی اور کو امیر مقرر کروں،،

اس جواب کے بعد بہ نفسِ نفیس جُرف تشریف لے گئے اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔لشکر چلنے لگا تو حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور صدیق اکبرؓ پیادہ پا ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ان کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہاتھ میں تھا۔حضرت اُسامہؓ نے عرض کیا:''اے خلیفۃ الرسول،آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھ کو پیادہ پا چلنے کی اجازت دیں۔''ارشاد ہوا۔''نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے نہ تم کو پیادہ پا چلنے کی۔اگر میرے پاؤں چند لمحوں کے لیے راہِ خدا میں خاک آلودہ ہو جائیں تو میری کیا شان جاتی ہے۔غازی اللہ کی راہ میں جو قدم رکھتا ہے اس کے بدلے میں سات سو نیکیاں نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں،سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں اور سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں۔

اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے جیش اُسامہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے لوگو!میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں ان کو اچھی طرح یاد رکھنا۔خیانت نہ کرنا،دھوکا نہ دینا،امیر کی نافرمانی نہ کرنا،کسی شخص کے اعضاء نہ کاٹنا،کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا،کسی پھلدار درخت کو مت کاٹنا یا جلانا،بکری گائے یا اونٹ کو غذا کی ضرورت کے بغیر ذبح نہ کرنا،تم

کو ایسے لوگ ملیں گے جو اپنی عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہوں گے،اُن سے کوئی تعرض نہ کرنا تم کو ایسے آدمی بھی ملیں گے جو قسم قسم کے کھانے تمہارے سامنے پیش کریں گے یہ کھانے کھا کر (خدا کو نہ بھول جانا اور) اللہ کا شکر ادا کرنا، اور تم کو ایک ایسی قوم بھی ملے گی جن کے سر کے بال بیچ میں منڈے ہوں گے اور پٹھے چھوٹے چھوٹے ہوں گے، ان کو تازیانہ کی سزا دینا۔ اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ، اللہ تم کو (دشمن کے) حربے اور طاعون سے محفوظ رکھے۔''

اس خطبے کے سننے کے بعد جیش اُسامہؓ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس وقت سرورِ عالمﷺ کو وصال فرمائے صرف انیس دن گزرے تھے۔ حضرت اُسامہؓ ارض شام میں دور تک فاتحانہ یلغار کرتے ہوئے ابنی (خان الزیت) تک پہنچ گئے۔ اور چند دن دمشق کے قریب ایک مقام المزہ میں قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ اس مہم میں باختلاف روایت چالیس دن یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ صرف ہوا۔ مراجعت سے پہلے حضرت اُسامہؓ نے فتح کی بشارت مدینہ منورہ بھیجی تو مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ یہ فتح نہ صرف سریہ موتہ کا جواب تھی بلکہ تسخیر شام کی تمہید بھی تھی۔

جیش اُسامہؓ اس شان سے مدینہ پہنچا کہ آگے آگے حضرت بریدہؓ بن حصیب پرچم اڑا رہے تھے اور ان کے پیچھے حضرت اُسامہؓ لشکر کو جلو میں لیے اپنے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ شہید موتہ کے گھوڑے سبحہ پر سوار تھے۔ حضرت اُسامہؓ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی مسجد نبوی میں گئے اور دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد گھر گئے۔ اس وقت ان کی عمر اُنیس برس کی تھی۔

حضرت اُسامہؓ سید الانامﷺ کو بے حد محبوب تھے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ بھی ان کو بہت عزیز جانتے تھے۔ طبری کا بیان ہے کہ ذوالقعدہ ۱۱ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مرتد باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے الابرق تشریف لے گئے تو انہوں نے مدینہ منورہ میں حضرت اُسامہؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت اُسامہؓ سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اپنی اولاد پر بھی ان کو ترجیح دیتے تھے۔ ابن اثیر نے ''اُسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں تمام صحابہ کرامؓ کے وظائف مقرر کیے تو حضرت اُسامہؓ کا وظیفہ تین ہزار اور اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کا

وظیفہ ڈھائی ہزار مقرر کیا۔حضرت عبداللہؓ نے شکایت کی کہ نہ میں کسی غزوہ میں اُسامہؓ سے پیچھے رہااور نہ آپ ان کے والد زیدؓ سے لیکن میرا وظیفہ آپ نے ان سے کم مقرر کیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا: ''وہ رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے زیادہ عزیز تھے اور ان کے والد تمہارے والد سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو عزیز تھے۔''

اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ باوجود عمر میں بڑا ہونے کے ہمیشہ حضرت اُسامہؓ کا نہایت احترام کرتے رہے، بلکہ ان کی اولاد کو بھی نہایت عزیز جانتے تھے۔حضرت اُسامہؓ کی وفات کے کئی سال بعد ایک دن انہوں نے مسجد نبویؐ کے ایک گوشے میں ایک پاکیزہ صورت نوجوان کو دیکھا تو بے اختیار اس کی طرف کشش پیدا ہوئی ۔پاس ہی عبداللہ بن دینارؒ بیٹھے تھے۔ ان سے پوچھا، یہ نوجوان کون ہے؟ ایک شخص بولا۔''ابوعبدالرحمٰن کیا آپ اس کو نہیں پہچانتے، یہ اُسامہؓ بن زیدؓ کا فرزند محمدؒ ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سن کر گردن جھکالی اور ہاتھوں سے زمین کو کریدنے لگے پھر فرمایا: ''اگر رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے۔''

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت (کے نصف آخر) میں فتنوں نے سر اٹھایا تو حضرت اُسامہؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، تاہم ملک وملت کی خیر خواہی کا جذبہ موجزن رہا۔اس لیے وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ کو تنہائی میں مفید مشورے دیتے رہے۔لیکن عملاً اور علانیہ کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا۔حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد بھی وہ ان معرکہ آرائیوں سے بالکل الگ رہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کے مابین ہوئیں۔

حضرت اُسامہؓ نے جو باختلاف روایت ۵۴ھ یا ۵۸ھ میں وفات پائی ۔اس وقت وہ جرف میں مقیم تھے۔تدفین مدینہ منورہ میں ہوئی۔

حضرت اُسامہؓ کی جن دو شادیوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ بھی انہوں نے اپنی زندگی میں کئی خواتین سے نکاح کیا۔ان کے نام یہ ہیں۔دُرہ بنت عدی (ان کے بطن سے محمدؒ اور ہندہ پیدا ہوئے) ام حکم بنت عتبہ، فاطمہؓ بنت قیس (ان کے بطن سے جبیرؒ، زیدؒ اور عائشہؒ پیدا ہوئے) بنت ابی ہمدان سہمی، برزہ بنت ربعی (ان کے باطن سے حسنؒ اور حسینؒ پیدا ہوئے۔)

سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے وقت حضرت اُسامہؓ کی عمر صرف ۱۸ یا ۱۹ برس کی تھی، تاہم انہیں فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا کافی موقع مل گیا تھا، اس لیے علم وفضل کے اعتبار سے بڑے بلند مقام پر فائز ہو گئے تھے۔ ان سے ایک سو اٹھائیس احادیث مروی ہیں جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں، دو میں بخاری اور دو میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابوعثمان نہدیؒ، ابووائلؒ اور خواجہ حسن بصریؒ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

فضائلِ اخلاق کے لحاظ سے بھی حضرت اُسامہؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ رحمتِ دو عالم ﷺ کی تربیت نے اُن کو ایک مثالی مردِ مومن بنا دیا تھا۔ اپنے ہر قول وفعل میں حضور پرنور کا اُسوہ حسنہ پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے لوگ بھی ان کے عمل کو اپنے لیے نمونہ سمجھتے تھے۔

عبادتِ الٰہی سے نہایت شغف تھا۔ انہوں نے سالہا سال تک حضورؐ کی عبادت دیکھی تھی۔ اس لیے کثرتِ عبادت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا تھا۔ آخر عمر میں بھی جب ان کے قوائے جسمانی مضمحل ہو چکے تھے، دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پابندی سے روزے رکھتے تھے۔ ایک دن غلام نے کہا، یہ روزے فرض تو نہیں اس لیے آپ اس بڑھاپے میں ان کی پابندی کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

حضرت اُسامہؓ کی والدہ حضرت ام ایمنؓ کے بارے میں بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی، لیکن ابن سعدؒ نے محمد بن سیرینؒ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی حیات تھیں اور حضرت اُسامہؓ ان کی خوشنودی اور دلجوئی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت اُسامہؓ سے کھجور کی پیڑی کے مغز کی فرمائش کی۔ اس زمانے میں کھجور کے درختوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور ایک درخت ایک ہزار پر اٹھتا تھا۔ حضرت اُسامہؓ نے ایک درخت کی پیڑی کو کھوکھلا کر کے اس کا مغز نکالا۔ لوگوں نے کہا اتنے قیمتی درخت کو آپ کیوں برباد کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ماں کی فرمائش پوری کر رہا ہوں۔ وہ جس چیز کی خواہش کرتی ہیں، میں کوشش کرتا ہوں کہ جس طرح بھی ہو سکے ان کی فرمائش پوری کروں۔

توکل کا بیان

﴿شیخ عبدالقادر جیلانیؒ﴾

اس کی اصل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ **ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ** ۔(سورہ الطلاق آیت ۳)(ترجمہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا۔ اللہ اس کے لیے کافی ہوگا۔) دوسری آیت ہے **وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مومنین** (سورہ مائدہ آیت ۲۳)(اگر تم ایمان والے ہو تو خدا پر ہی توکل کرو) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے زمانہ حج میں بہت سی نشانیاں خواب میں دکھائی گئیں۔ میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ اس سے پہاڑ اور میدان بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی وضع اور کثرت اچھی معلوم ہوئی۔ مجھ سے کہا گیا۔ کیا آپ اس پر راضی ہیں۔ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ کہا گیا ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے بھی ہیں۔ جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، نہ شگون لیتے ہیں۔ نہ منتر کراتے ہیں۔ بلکہ خدا ہی پر توکل کرتے ہیں۔ یہ سن کر عکاشہ بن محصنؓ اسدی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ! اللہ سے دعا فرمادیجئے کہ مجھے ان میں سے کردے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ اس کو ان میں سے کردے۔ اس کے بعد دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سے دُعا فرمایئے کہ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا۔ عکاشہ تم سے سبقت لے گئے توکل کی حقیقت یہ ہے کہ تمام امور کو اللہ عزوجل کے سپرد کردینا تدبیر اور اختیار کی ظلمتوں سے پاک ہونا اور احکام و تقدیر کے میدانوں کی جانب بڑھنا۔ بندہ جب یقین کرلیتا ہے۔ کہ قسمت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ جو کچھ اس کے مقسوم میں ہے وہ اس سے نہیں جائیگا اور جو مقدر میں نہیں وہ حاصل نہیں ہوگا۔ تو اس کا دل سکون پالیتا ہے اور وہ اپنے مولیٰ کے وعدے پر مطمئن ہوجاتا ہے اور اسی سے (قسمت کی) چیز لیتا ہے۔ توکل کے تین درجے ہیں۔ اول توکل، دوم تسلیم، سوم تفویض، متوکل اپنے رب کے وعدے سے سکون یاب ہوتا ہے۔ اور صاحب تسلیم اللہ کے علم کو کافی سمجھتا ہے۔ اور صاحب تفویض اللہ کے حکم پر خوش ہوتا ہے۔

بعض نے کہا کہ توکل ابتداء ہے۔ تسلیم درمیانی درجہ اور تفویض انتہاء اور بعض نے کہا کہ توکل عام مومنین کی صفت ہے اور تسلیم اولیاء کرام کی اور تفویض توحید پرستوں کی۔ اور بعض نے کہا ہے توکل عوام کی۔ تسلیم خواص کی اور تفویض خاصان خاص کی صفت ہے۔ اور بعض نے کہا کہ

توکل عام انبیاء کی صفت ہے اور تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تفویض ہمارے نبی ﷺ اجمعین کی۔ پس توکل حقیقی کمال کی حیثیت سے حضرت ابراہیمؑ کو اس وقت حاصل ہوا۔ جب کہ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا تھا مجھے تمہاری حاجت نہیں۔ کیونکہ اس وقت ان کی خودی ختم ہوچکی تھی اس کا نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے خدا کی موجودگی میں کسی کو نہ دیکھا۔ سہل بن عبداللہؒ نے فرمایا توکل میں پہلا مقام یہ ہے کہ بندہ خدا کے سامنے ایسا ہوجائے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ جس طرف چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے اور اس کو کسی عمل اور تدبیر کا اختیار نہیں رہتا۔ متوکل علی اللہ نہ مانگتا ہے نہ ارادہ کرتا ہے۔ نہ روکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ توکل (اپنے کو) چھوڑ دینے کا نام ہے۔ حمدون نے فرمایا توکل نام ہے اللہ کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینے کا۔ حضرت ابراہیم خواصؒ نے فرمایا حقیقت توکل یہ ہے کہ غیر اللہ سے امید وبیم کو ختم کر دیا جائے بعض کا قول ہے۔ توکل ایک ہی دن کی زندگی پر اکتفا کرنا اور کل کا غم ترک کر دینا ہے۔ حضرت ابوعلی رودباریؒ نے فرمایا کہ توکل میں تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ملے تو شکر کرے نہ ملے تو صبر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہی پسند کیا ہے اور یہی بات اس کو پسند ہو۔ کیونکہ اللہ کو پسند ہے۔ حضرت جعفر خلدی سے روایت کی گئی کہ حضرت ابراہیم خواصؒ نے فرمایا۔ میں مکہ کی راہ میں سفر کر رہا تھا۔ کہ ایک وحشی شبیہہ نظر آئی۔ میں اس کی طرف بڑھا اور پوچھا تو جن ہے یا انسان؟ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے کہا کہاں جاتے ہو؟ اس نے جواب دیا مکہ کی جانب۔ میں نے کہا بے توشہ بغیر سواری کے اس نے جواب دیا ہاں ہم میں سے کچھ لوگ توکل پر سفر کرتے ہیں۔ میں نے کہا توکل کیا ہے اس نے کہا اللہ سے لینا۔ حضرت سہلؒ نے فرمایا کہ توکل مخلوقات کو رزق بہم پہنچانے والے کی معرفت کا نام ہے اور کسی کا توکل صحیح نہیں جب تک کہ اس کے نزدیک آسمان تانبے کی طرح اور زمین لوہے کی طرح نہ ہوجائے کہ نہ آسمان سے پانی اور نہ زمین سے سبزہ اُگے اور یقین کرلے کہ ان دونوں کے درمیان رہنے والی مخلوق کے رزق کا جو خدا ضامن ہے وہ مجھے فراموش نہیں کرے گا۔ بعض نے کہا توکل یہ ہے کہ تو رزق کی خاطر خدا کی نافرمانی نہ کرے اور بعض نے کہا کہ تیرے لیے یہی توکل کافی ہے کہ تو اللہ کے سوا اپنے نفس کے لیے کوئی اور مددگار اور اپنے رزق کے لیے کوئی دوسرا خزانچی اور اپنے عمل کے لیے کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ چاہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا توکل یہ ہے کہ تو اپنی تدبیر خدا کی تدبیر میں فنا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ ذمہ دار اور مدبر اور مددگار ہے راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے۔وکفی باللّٰہ وکیلا (ترجمہ!اور کافی ہے اللہ کارسازی کے لیے)اور بعض نے کہا کہ توکل بندہ حقیر کا خدائے عظیم کو کافی سمجھنا ہے۔جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کو اس وقت کافی سمجھا تھا جب کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مدد کی جانب نظر بھی نہیں کی اور مجنون بہلول سے دریافت کیا گیا کہ بندہ متوکل کب ہو جاتا ہے۔فرمایا جب اس کا نفس مخلوق کے اندر رہتے ہوئے بھی اجنبی ہو اور دل خدا کے پاس ہو۔حضرت حاتم اصمؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ توکل کا مقام کس طرح حاصل ہوا ہے فرمایا چار اوصاف کی بناء پر مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ میرا رزق کوئی دوسرا نہیں کھائے گا۔لہٰذا میں اس میں مشغول نہیں ہوتا اور میں نے جان لیا ہے کہ میرا عمل کوئی دوسرا نہیں انجام دے گا۔سو میں اس میں مشغول ہو جاتا ہوں اور میں نے یقین کرلیا ہے کہ موت اچانک آتی ہے لہٰذا میں اس سے جلدی کرتا ہوں اور میں نے جان لیا ہے کہ میں ہر حال میں خدا کی نظر میں ہو۔پس میں اس سے حیا کرنے والا ہوں۔ابوموسیٰ دبیلی نے عبدالرحمٰن بن یحییٰ سے توکل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔کہ تو اژدہے کہ منہ میں پہنچے تک بھی ہاتھ ڈال دے تو خدا کی معیت کی وجہ سے کسی سے ہرگز نہ خوف کھائے (اس کو توکل کہتے ہیں)اس کے بعد ابوموسیٰ نے کہا کہ میں ابو یزید بسطامی کی جانب توکل کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے نکلا۔چنانچہ شہر بسطام میں داخل ہوا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا(اندر سے)انہوں نے کہا کہ ابوموسیٰ کیا تمہارے لیے عبدالرحمٰن کا جواب کافی نہیں کہ میرے پاس آئے ہو اور مجھ سے پوچھتے ہو۔میں نے عرض کیا اے آقا!دروازہ کھول دیجئے۔جواب دیا۔اگر تم ملاقاتی کی حیثیت سے آئے ہوتے تو میں ضرور دروازہ کھول دیتا۔تم دروازہ پر ہی جواب لے لو اور لوٹ جاؤ(توکل یہ ہے کہ)اگر وہ سانپ جو عرش کو حلقہ کئے ہوئے ہے۔تیری جانب بڑھے تو خدا کی معیت کی بنا پر ذرا بھی خوف نہ کھانا۔ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ اس کے بعد میں لوٹ آیا۔اور دبیل پہنچا۔وہاں ایک سال ٹھہرا رہا۔پھر ان کے پاس ملاقات کیلئے پہنچا تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا۔آؤ اب تم میرے پاس ملاقاتی کی حیثیت سے آئے ہو۔اس کے بعد میں ان کے پاس ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔اس عرصہ میں کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی۔جس کی انہوں نے میرے سوال سے قبل خبر نہ دیدی ہو۔آخر میں نے ان سے کہا۔ابو یزید!میں جاننا چاہتا ہوں۔اور آپ سے کوئی فائدہ بھی ملنا چاہیئے۔فرمایا جان لو مخلوقات کا فائدہ کوئی فائدہ نہیں لہٰذا جاؤ۔میں نے اسی قول کو فائدہ بنالیا۔اور لوٹ آیا۔ابن طاؤس ایمانیؒ نے اپنے والد حضرت طاؤسؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی اپنی سواری کا اونٹ لایا۔اس کو بٹھایا اور باندھ دیا۔پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا

کر کہا۔اے اللہ! یہ سواری کا اونٹ اور جو کچھ اس پر سامان ہے۔جب تک میں لوٹوں تیری ضمانت میں ہے۔یہ کہہ کر چلا گیا اور مسجد حرام میں داخل ہوا تھوڑی دیر بعد نکلا تو اس کی سواری اور سازوسامان چوری ہو چکا تھا۔اس نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ! میری کوئی چیز نہیں چرائی گئی۔تیری ہی چرائی گئی ہے۔حضرت طاؤسؓ نے بیان کیا۔کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ اچانک ہم نے کوہ ابوقبیس کی چوٹی سے ایک شخص کو اترتے ہوئے دیکھا جو بائیں ہاتھ سے سواری کھینچ کر لا رہا تھا۔اور اس کا دہنا ہاتھ کٹا ہوا گلے میں لٹک رہا تھا۔وہ شخص اعرابی کے پاس آیا۔اور کہا لے اپنی سواری اور اس کا سامان۔میں نے اس سے معاملہ کی نوعیت دریافت کی۔اس نے کہا کوہ ابوقبیس کی چوٹی پر میرے سامنے ایک اسپ سوار آیا اور مجھ سے کہا اے چور! اپنا داہنا ہاتھ بڑھا۔میں نے بڑھا دیا۔اس نے میرا ہاتھ ایک پتھر پر رکھا پھر دوسرا پتھر لیا اور اسے کاٹ دیا اور میری گردن میں لٹکا دیا اور کہا نیچے اتر اور سواری و سامان اعرابی کو واپس کر دے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم لوگ خدا پر کماحقہ، توکل رکھو گے تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا کرے گا۔جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں محمد بن کعب نے حضرت ابن عباسؓ کی حوالے سے روایت کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ لوگوں میں بزرگ شمار ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ سے ڈرے اور جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ خدا کے ہاتھ کی چیز پر، اپنے ہاتھ کی چیز کے مقابلہ میں زیادہ بھروسہ کرے۔حضرت عمرؓ ان دو شعروں کی مثال دیا کرتے تھے۔

هون عليك فان الامور

تو اپنے پر آسانی کر اس لیے کہ تمام کاموں

بامر الله مقاد يرها

کے اندازے امر خداوندی سے وابستہ ہیں۔

فليس ياتيك مصروفها

تمہاری طرف سے پلٹی ہوئی چیز تمہارے پاس نہیں آئیگی۔

ولاهارب عنك مقدودها

اور جو چیز تمہارے مقدر میں ہے وہ تم بھاگ کر نہیں جائیگی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ سے دریافت کیا گیا کہ آدمی متوکل کب ہوتا ہے۔فرمایا جب اللہ تعالیٰ کی کارسازی پر خوش ہو۔حضرت بشرؒ نے فرمایا۔ہر ایک کہتا ہے کہ ''میں نے خدا پر توکل کیا درآنحالیکہ خدا کی قسم وہ جھوٹا ہوتا ہے۔کیونکہ اگر وہ خدا پر توکل کرتا ہوتا تو اس پر راضی رہتا جو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کرتا ہے۔اور ابوتراب بخشیؒ نے کہا توکل بدن کو عبودیت میں لگا دینا۔دل کو ربوبیت سے وابستہ کر دینا اور درستی کار کی طرف سے مطمئن رہنا ہے۔پس اگر اس کو دیا جائے تو شکر کرے نہ دیا جائے تو صبر کرے۔ذوالنون مصریؒ نے فرمایا توکل نفس کی تدبیر کا ترک کرنا اور اپنی قوت و غلبہ سے باہر نکلنا ہے اور حضرت ذوالنونؒ ہی نے ایک شخص سے جس نے توکل کے بارے میں دریافت کیا تھا فرمایا توکل اسباب چھوڑنا اور ذرائع کو ختم کر دینا ہے۔سائل نے کہا کچھ مزید فرمایئے۔فرمایا توکل نفس کو بندگی میں لگا دینا اور ربوبیت سے نکال دینا ہے۔اور انہوں نے توکل کی یہ بھی تعریف کی ہے کہ وہ حرص و ہوس کو توڑ دینا ہے۔رہی ظاہری کوشش تو وہ کسب ہے سنت سے ثابت ہے۔یہ قلبی توکل سے مانع نہیں ہے۔جب کہ بندہ اپنے دل میں راسخ کر لے کہ بلاشبہ تقدیر خدا ہی کی جانب سے ہے۔اس لیے کہ توکل کا مقام قلب ہی ہے۔یعنی ایمان کو دل میں جما لینا ہی توکل ہے۔جس نے کسب کا انکار کیا اس نے سنت کا انکار کیا۔اور جس نے توکل کا انکار کیا۔اس نے ایمان کا انکار کیا۔پس اسباب میں سے کوئی چیز مشکل ہو جائے تو اس کا تعلق تقدیر خداوندی سے ہے اور اگر کوئی چیز سہل ہو جائے تو خدا ہی کے سہل کرنے سے ہوتی ہے۔لہٰذا تمام اعضاء اور ظاہری قویٰ سب کو اختیار کرنے میں کوشاں ہوں۔یہی امرِ الٰہی ہے۔اور اس کا باطن اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے مطمئن ہو۔

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص اپنی اونٹنی پر آیا اور کہا یا رسول اللہؐ! میں اس کو (اونٹنی کو) چھوڑے دیتا ہوں اور توکل کرتا ہوں۔فرمایا اس کو باندھ دے۔پھر (خدا پر) بھروسہ کر۔کہا گیا ہے کہ متوکل اس شیر خوار بچے کی مانند ہے جو اپنی ماں کی چھاتی کے سوا کوئی اور ٹھکانہ جانتا ہی نہیں۔اسی طرح متوکل بھی سوائے خدا کے کسی کی راہ نہیں جانتا۔کہا گیا ہے کہ توکل شکوک کا دور کرنا اور اللہ پر بھروسہ کرنا ہے۔بعض نے کہا کہ توکل خدا عزوجل کی قدرت پر اعتماد کرنا اور لوگوں کے اختیار و قدرت سے ناامید ہو جانا ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

ننھے مبلغ نے مجھے مسلمان بنایا

(محمد اسجد گڈو/ونود کمار گڈو)

نیپال کے ونود کمار کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستان

میرا ملک نیپال ہے۔ کھٹمنڈو سے دس کلومیٹر دور ایک گاؤں ہے۔ میں وہاں 21 مئی 1980ء کو پیدا ہوا۔ برہمن خاندان سے میرا تعلق ہے۔ ونود کمار میرا بچپن کا نام تھا، مگر پیار میں مجھے گڈو کہا جاتا تھا۔ ہائی سکول تک تعلیم نیپال میں حاصل کی۔ والدہ کا انتقال ہو گیا تو میرے عزیز مجھے دہلی لے آئے۔ میں نے بارہویں کا امتحان دیا تو میرے وہ عزیز بھی دہلی میں انتقال کر گئے۔ اب میرے لئے آگے تعلیم جاری رکھنا مشکل تھا، اس لئے میں نے جامعہ نگر اوکھلا کے علاقے میں مولوی کلیم صدیقی صاحب کے گھر کے قریب دکان پر سیلز مین کی نوکری کر لی اور جامعہ میں بی کام میں داخلہ بھی لے لیا۔ وہیں سے اللہ نے مجھ پر رحم کیا۔

جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں جامعہ نگر دہلی مولوی کلیم صدیقی صاحب کے گھر کے قریب ایک جنرل مرچنٹ کے یہاں ملازمت کرتا تھا۔ مولوی صاحب کے چھوٹے لڑکے اسجد میاں میرے سامنے پانچوں وقت بہت پابندی سے مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ جاتے ہوئے وہ دوسرے بچوں کو بھی نماز کو کہتے تھے۔ جب وہ نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آتے تو راستے میں محلے کے نمازی ان کو چھیڑتے۔ کوئی کہتا حضرت اسجد! ہمارے یہاں چائے پی لو، کوئی کہتا ہمارے ہاں کھانا کھا لو، وہ شرما کر بھاگ جاتے۔

آپ کی بلڈنگ میں ایک چوکیدار تھا۔ وہ مسلمان تھا۔ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اسجد اس کو نماز پڑھنے کو کہتے۔ ایک روز میں نے بھی اس سے کہا کہ روزانہ تم اسجد سے وعدہ کرتے ہو، مگر نماز پڑھنے نہیں جاتے۔ کچھ میں نے زور دیا، کچھ اسجد میاں نے دوزخ سے ڈرایا، وہ نماز کے لئے چلا گیا۔ اب اس نے بھی نماز شروع کر دی۔ ہر نماز سے پہلے اسجد اس کو لینے پہنچ جاتے۔ ایک روز وہ ظہر کی نماز پڑھنے گیا تو اس کی چپلیں چوری ہو گئیں۔ اسجد میاں نے گھر سے پیسے لا کر اس کو نئی

چپلیں لاکر دیں اور بولے دیکھو تمہیں اللہ نے نماز کے صدقے پرانی چپلوں کے بدلے نئی چپلیں دے دیں۔

اسجد میاں کی امی نے مجھے بتایا کہ اس چوکیدار کی چپلیں چوری ہو گئیں تو اسجد گھر آ کر خوب روئے اور بار بار فریاد کرتے تھے۔ امی! اب وہ نماز نہیں پڑھے گا۔ وہ یہ سمجھے گا کہ نماز پڑھنے سے تو نقصان ہوتا ہے۔ اگر آپ مجھے پیسے دے دیں تو اس کی نئی چپلیں آ جائیں گی اور وہ ہمیشہ کے لئے نمازی بن جائے گا، اس طرح ضد کر کے پیسے لے گیا اور اس کی نئی چپلیں دلوائیں۔

جب وہ نمازی بن گیا تو اب میری باری آئی۔ اسجد میاں کو معلوم نہیں تھا کہ میں ہندو ہوں۔ میں ان کو پیار سے السلام علیکم بھی کہتا تھا۔ وہ مجھ سے کہتے گڈو بھائی! آپ دکان پر بیٹھے رہتے ہیں، اذان سنتے ہیں اور نماز کے لئے مسجد نہیں جاتے۔ اذان سن کر جو نماز کو نہ جائے، مسجد اس کے لئے بددعا کرتی ہے۔ میں اسجد سے کہتا: تم نماز کو چلو، میں ذرا دیر سے آ ؤں گا۔ دو ہفتے اس طرح گزر گئے۔ وہ روزانہ عصر، مغرب اور عشا تینوں وقت تقاضا کرتے مگر میں ان کو ٹال دیتا۔ ایک روز عصر کی نماز کے وقت وہ آ کر مجھ سے لپٹ گئے۔ گڈو بھائی! آج میں آپ کو نماز کے لئے لے کر جاؤں گا۔ میں نے اسجد سے کہا تم مجھے جانتے نہیں ہو، میرا نام ونود کمار ہے اور میں مسلمان نہیں ہوں، بلکہ ہندو ہوں۔ وہ بولے: پھر تو آپ کے لئے بہت مشکل ہے گڈو بھائی! آپ تو بے نمازی سے زیادہ خطرے میں ہیں۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ وہ بولے کہ بے نمازی تو دوزخ میں جل کر ایک دن جنت میں چلا جائے گا، مگر ایمان کے بغیر تو ہمیشہ کی جہنم ہے۔ گڈو بھائی! آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں۔ جماعت کا وقت ہو گیا۔ میں نے کہا اسجد تمہاری جماعت نکل جائے گی۔ وہ بولے جماعت میری نکل جائے گی اور اگر آپ کی جان نکل گی اور ہندو رہ کر مر گئے تو کتنا نقصان ہو گا۔ میں نے کہا: اچھا تم نماز پڑھ کر آؤ، پھر بات کریں گے۔ وہ نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے اور آ کر میری دکان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ گاہک آتے گئے، مگر وہ کھڑے رہے اور بار بار زور دیتے رہے کہ گڈو بھائی! آپ کے یہاں سے ہم سودا لاتے ہیں۔ آپ ہم سے بہت بات کرتے ہیں۔ میں کلمہ پڑھوائے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ کو مسلمان ہونا پڑے گا۔ میں

کہتا رہا اسجد تم جاؤ۔ پھر کسی دن بات کریں گے۔ وہ بولے کیا پتا آج ہی آپ کو موت آ جائے یا میں مر جاؤں۔ وہ جب زیادہ ضد کرنے لگے تو مجھے خیال آیا کہ یہ ننھا سا بچہ ہے، اسجد کی عمر اب گیارہ سال ہے، یعنی جب ان کی عمر آٹھ سال تھی یا اس سے بھی کم۔ مجھے یہ خیال آیا کہ بچے کا دل رکھنے میں کیا حرج ہے۔ محض کلمہ پڑھنے سے میں مسلمان ہونے سے رہا۔ میں نے ان کو ٹالنے اور ان کا دل رکھنے کے لئے کہا اچھا کلمہ پڑھاؤ۔ انہوں نے مجھے کلمہ پڑھوایا۔ میں نے ہنستے ہوئے کلمہ پڑھا، وہ بولے اب گڈو بھائی آپ اپنا مسلمان نام رکھ لو۔ میں نے پوچھا نام بدلنا بھی ضروری ہے؟ اسجد نے کہا ابی کہتے ہیں کہ نام بدلنا ضروری نہیں، مگر اچھا ہے۔ جب تم نے کلمہ پڑھ لیا تو نام بھی بدل لو تو اچھا ہے۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ میرا نام تم کیا رکھو گے؟ اسجد بولے تم اپنی پسند سے کوئی مسلمان نام رکھ لو۔ میں نے کہا مجھے تمہارا نام پسند ہے۔ میں تو محمد اسجد نام رکھوں گا۔ بولے کوئی حرج نہیں، اسجد بھی اچھا نام ہے۔ اس کے معنی ہیں زیادہ سجدہ کرنے والا۔ بہت اچھا نام ہے۔ میں نے کہا پھر تمہیں اپنا نام بدلنا پڑے گا؟ مجھے کیوں بدلنا پڑے گا؟ ایک نام کے بہت لوگ ہو سکتے ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد گھر سے اپنے ابی کی کتاب ''آپ کی امانت آپ کی سیوا میں،، لے آئے اور بولے اسجد بھائی! آپ اس کتاب کو غور سے پڑھیے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے مسلمان بنا کر آپ پر کیسا کرم کیا ہے۔

دیکھئے آپ اس کو کئی بار پڑھنا۔ میں نے کتاب اسجد سے لے لی اور دل میں خیال آیا کہ یہ عجیب بچہ ہے، جونک کی طرح لپٹ گیا ہے۔ میرے اندر جیسے کسی نے کہا کہ یہ ننھا سا بچہ کچھ تو بات ہے، جو ایسی ہمدردی اور تڑپ کے ساتھ کلمہ اور نماز کو کہہ رہا ہے۔ میں نے اسجد سے کہا کہ میں ضرور اس کتاب کو پڑھوں گا۔ اسجد نے کہا پکا وعدہ ہے۔ میں نے کہا پکا وعدہ ہے۔

دکان بند کر کے میں کمرے میں چلا گیا۔ کھانا کھا کر سو گیا تھوڑی دیر بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آگ کا الاؤ ہے اور اس سے آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں اور لوگ اس میں جل رہے ہیں۔ اوپر نیچے آتی آگ کی لپٹیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ انتہائی خطرناک آگ کی لپٹوں

کے ساتھ جلتے لوگ بھی چیختے چلاتے اوپر نیچے جاتے ہیں ۔ وہاں اسجد کھڑے کہہ رہے ہیں ۔ گڈو بھائی یہ دوزخ ہے جس سے اللہ نے آپ کو کلمہ پڑھوا کر بچالیا۔ میری آنکھ کھل گئی ۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ اس آگ کا مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ میں نے کمرے میں سوتے ساتھیوں کی پروا کئے بغیر لائٹ جلائی اور ''آپ کی امانت'' کو پڑھا۔ ایک بار پڑھا، دو بار پڑھا، تین بار پڑھا، پھر میں نے دل ہی دل میں کہا اسجد میرے خیرخواہ اسجد تم نے بہت اچھا کیا۔ مجھے ونود کمار سے اسجد بنالیا ۔ اسجد تم نے مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر اہی لیا ۔ اسجد تم بچے ہو یا اللہ نے تمہیں کچھ اور بنایا ہے ۔ دل میں تقاضا ہوا کہ میں نے عصر کے بعد کلمہ پڑھا ہے، جو نمازیں مجھ پر فرض ہیں، مجھے ضرور پڑھنی چاہئیں ۔ اسجد چوکیدار کو بتاتے تھے کہ ایک وقت کی نماز ترک کرنے پر دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس جہنم میں جلنا پڑے گا۔ میں نے اپنے کمرے میں سوئے ہوئے فرید کو اٹھایا اور اس سے کہا شام چھ بجے کے بعد ایک مسلمان کتنی نمازیں پڑھتا ہے ۔ اس نے کہا دو ۔ میں نے کہا تم مجھے یہ نمازیں پڑھوا دو ۔ وہ بولا سو جاؤ میری نیند خراب نہ کرو، مگر میں نے خوشامد کی ۔ اس کے پاؤں دبائے اس کو ترس آ گیا وہ اٹھا، مجھے وضو کرایا اور مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھائیں ۔ میں نے الٹے سیدھے رکوع کئے ۔

اگلے روز صبح کو میں دوکان پر گیا تو اسجد سکول سے آئے ۔ میں دکان سے اٹھ کر ان سے کہا اسجد تم بستہ رکھ کر کھانا وغیرہ کھا کر جلدی آؤ ۔ مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے ۔ وہ جلدی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر دوکان پر آئے ۔ میں نے کہا کل میں نے تمہیں بھگانے اور جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ لیا تھا، اب میں نے ''آپ کی امانت آپ کی سیوا میں'' پڑھ لی ہے اور اسلام کو سمجھ لیا ہے ۔ اب تم مجھے سچ مچ کلمہ پڑھوا دو اور مسلمان بنا لو ۔ اسجد نے مجھے کلمہ پڑھوایا ۔ میں نے مسجد میں نماز پڑھنے جانا شروع کر دیا ۔ میرے دکان مالک بے چارے عام مسلمان تاجر ہیں ۔ دو تین روز کے بعد انہوں نے مجھے مسجد سے آتے دیکھا تو بولے ابے گڈو تو مسجد کیوں گیا تھا؟ میں نے کہا یہ اسجد ضد کر رہا تھا ۔ میں نے سوچا میں بھی نماز پڑھ کر دیکھوں ۔ وہ بولے دماغ خراب ہو گیا ہے، یہاں گاہک انتظار کر رہے ہیں ۔ میرا دل بہت ٹوٹا کہ کیسے جانوروں کی طرح ڈانٹ

رہے ہیں۔ ''آپ کی امانت'' میں، میں نے پڑھا تھا کہ مسلمان کے لئے نماز کی پابندی ضروری ہے اور ایک نماز ترک کرنے کی سزا جو اسجد نے بتائی تھی، وہ میرے لیے ایسی اہم تھی کہ نماز نہ پڑھنا میرے لئے مشکل نہیں، بلکہ ناممکن تھا۔ کلمہ پڑھ کر میں نے غلامی کا اقرار کیا ہے۔ آقا آواز لگائے، بلائے اپنے دربار عالی میں اور یہ ادنیٰ غلام حاضر نہ ہو، اس سے زیادہ اور کیا کم بختی ہو سکتی ہے۔ مجھے خیال آیا کہ یہ دکان کے مالک ہیں، ہوا کریں، یہ میرے مالک تو نہیں۔ مجھے مالک دوکان کی نہیں، اپنے حقیقی مالک و آقا کی بات ماننی ہے۔ میں مالک دکان کا نہیں، بلکہ سارے جہاں کے مالک کا بندہ و غلام ہوں۔ میں نماز پڑھنے جاتا رہا۔ دو تین روز کے بعد ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ کر آیا تو دوکان مالک بہت برہم ہوئے۔ بولے صبح مندر میں پوجا کو نہیں جا سکتا۔ ہندو ہے، اپنے مذہب کو مان، تو ناپاک مسجد میں کیوں جاتا ہے۔ میرے دسیوں گاہک چلے گئے۔

میں نے کہا صاحب میں اب ہندو نہیں ہوں، میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ وہ مجھے مکان میں لے گئے اور اندر لے جا کر بہت گالیاں دیں اور مجھ پر دباؤ دیا کہ میں مسلمان نہ بنوں اور بولے پورے علاقے میں تو فساد کرائے گا؟ میں نے کہا یہ علاقہ مسلمانوں کا ہے اور میرا گھر نیپال میں ہے اور مجھے اپنے گھر والوں سے کوئی واسطہ بھی نہیں۔ آپ کیوں ڈرتے ہیں۔ میں مسلمان ہوا ہوں، خود رسک لوں گا۔ وہ بہت ناراض ہوئے۔ میرے بحث کرنے پر انہوں نے جوتا پاؤں سے اتارا اور بولے آ تجھے مسلمان بناؤں، بہت گالیاں دیں اور جوتوں سے بے تحاشا مجھے مارا۔ میرا ماتھا چھل گیا، خون نکلنے لگا۔ اس پر بھی بس نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے سامنے سے چلا جا۔ میرا سامان کمرے سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ فروری کی رات تھی۔ رات کو بارش بھی ہوئی میری ساری کتابیں بھیگ گئیں۔ میں نے بھی کوئی سایہ تلاش نہیں کیا۔ بس دل ہی دل میں فریاد کرتا رہا۔ میرے مالک! میں آپ کا غلام ہوں، آپ کی غلامی کے لئے چاہے جان بھی دینی پڑے تو بھی منظور ہے، بس آپ میرے ایمان کو قبول کر لیجئے۔

اگلے روز میں نے سامان اٹھایا اور ایک شیڈ کے نیچے ڈال دیا۔ ایک صاحب کار لے کر کسی دوست کے یہاں ملنے آئے تھے۔ انہوں نے اس شیڈ کے قریب گاڑی روکی، مجھ سے بولے:

آپ یہاں کیوں پڑے ہیں؟ میں نے کہا ایسے ہی۔ وہ بولے نہیں، سچ سچ بتائے۔ مجھے شرم آئی کہ اللہ کے علاوہ کسی سے اپنا دکھ کہوں۔ وہ بولے دیکھو اللہ نے آپ کو اور مجھے پیدا کیا۔ آپ نے مجھ سے کہا تو نہیں کہ گاڑی روکو، اللہ نے مجھ کو رکنے پر مجبور کیا۔ اللہ نے میرے دل میں ڈالا کہ اللہ ہی سب کام کرتا ہے مگر اس دنیا میں اسباب سے ہی اللہ کام کرواتا ہے۔ ان کی بہت اصرار پر میں نے اپنا حال بتایا۔ انہوں نے میرا سامان اپنی گاڑی کی ڈگی میں رکھا اور بولے: آج سے تم میرے بیٹے ہو، میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے اولاد بنا کر اپنا پابند بنائیں گے، میں اب اللہ کے علاوہ کسی کی غلامی نہیں چاہتا۔ بولے اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ میں نے کہا ایک شرط پر آپ کے ساتھ جاسکتا ہوں کہ آپ نماز اور دین کے کسی کام سے مجھے نہیں روکیں گے۔ میری بات سن کر وہ رونے لگے اور بولے ایک مسلمان نے نا سمجھی کی بات کی ہے تو کیا اللہ کی زمین پر کوئی حقیقی مسلمان ہی نہیں؟ میں ان کے ساتھ دہلی کے علاقے جعفر آباد چلا گیا۔ وہ موتیوں کی تجارت کے الحمدللہ بڑے تاجر ہیں۔ میں نے بی کام مکمل کرلیا تھا۔ چھٹیوں میں، میں تین چلوں کے لئے جماعت کے ساتھ بنگلور چلا گیا۔

ہمارے رہبر صاحب بنگلور کے ایک عالم تھے۔ وہ مولوی کلیم صاحب کو جانتے تھے۔ انہوں نے میری بہت خدمت کی۔ وہ سب ساتھیوں کی بہت خدمت کرتے تھے اور وقت بھی بہت اصولوں کے ساتھ لگواتے۔ الحمدللہ میرا وقت بہت مبارک گزرا۔ واپس آکر میں نے ایم بی اے میں داخلہ لے لیا۔ ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد مجھے ایک امریکی کمپنی میں اسسٹنٹ مینجر کی ملازمت مل گئی۔ الحمدللہ گڑگاؤں میں میں سروس کرتا ہوں، میں نے مشرقی دہلی میں ایک فلیٹ بھی خرید لیا ہے۔

میں تیسرا چلہ مکمل کرکے آیا تو ایک روز نظام الدین گیا تھا۔ مولوی محمد کلیم صاحب کے کوئی مہمان نظام الدین میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ ان سے ملنے وہاں آئے۔ نظام الدین کے مین گیٹ کے باہر میں نے ان کو دیکھا۔ ملاقات کی، وہ مجھے پہچان نہ سکے۔ میں نے کہا میں گڈو ہوں۔ میں آپ کے گھر کے سامنے والی دوکان پر بیٹھتا تھا۔ وہ مجھ سے چمٹ گئے۔ بلائیں لینے

اور حیرت سے پوچھنے لگے کہ آپ کیسے مسلمان ہو گئے؟ میں نے پورا واقعہ سنایا۔انہوں نے مجھ سے گھر چلنے پر اصرار کیا۔میں ان کے ساتھ گھر گیا۔

اسجد مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔مجھ سے بولے چوکیدار نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے مالک نے آپ کے ساتھ بہت ظلم کیا تھا۔میں نے رو رو کر دعائیں کیں اللہ ان کو دنیا ہی میں بدلہ دیجئے۔انہوں نے بیچارے پردیسی مسلمان کے ساتھ یہ ظلم کیا تو اللہ نے تمہارے اوپر ظلم کا بدلہ انہیں دے دیا۔دکان بند ہوگئی اور ان کے کروڑوں کے پلاٹ پر بدمعاشوں نے قبضہ کرلیا۔سارا سامان گلی میں پھنکوادیا۔دو سال ہوگئے،سامان گل سڑ گیا۔پورے محلے والے ان کا کھانا پانی کرتے رہے۔لوگ ان کے سامان سے عاجز ہیں۔کئی دفعہ پولیس میں رپورٹ کر چکے ہیں کہ سارا محلّہ سڑ رہا ہے ان کا سامان گلی سے اٹھواؤ۔میں نے سنا تو افسوس بھی ہوا۔میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ آپ ان کو معاف کر دیجئے بے چارے بے گھر ہو گئے،ان کو گھر دیجئے۔

الحمدللہ میری شادی ہوگئی۔میری اہلیہ دین دار گریجویٹ ہیں۔پرانی دہلی پنجابی خاندان کی لڑکی ہیں۔ہم لوگ خوشی خوشی رہ رہے ہیں مستورات کی جماعت کے ساتھ وقت لگا چکی ہیں۔میرا ایک چلہ کینیا میں بھی لگا ہے۔اہلیہ کے توجہ دلانے پر اگلے مہینے ہم کھٹمنڈو جانے والے ہیں۔

اس ناچیز کی زندگی کی داستان خود ایک پیغام ہے اور عبرت کا سامان بھی۔ہمارے نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کو غیر مسلم ستاتے تھے کہ مسلمان کیوں بنے،آج اسلام کی دعوت پر مامور ہم اپنے نومسلم بھائیوں کو مارتے ہیں کہ تم کیوں مسلمان ہوئے ہو۔ایسی حالت میں ہمیں دنیا کی امامت کیوں مل سکتی ہے۔مولوی صاحب پچھلے ہفتے بتا رہے تھے کہ اللہ کا خوف دلوں میں نہیں ہے کہ دعوت کا کام کوئی کرتا ہے اور پڑوس والے ڈرتے ہیں گھر والے ڈرتے ہیں۔کس قدر افسوس کی بات ہے۔(بشکریہ! نوائے وقت)

مقصد تخلیق پاکستان

﴿فرمودات قائداعظمؒ کی روشنی میں﴾

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

بعض لوگ حضرت قائداعظمؒ کے ارشادات کا غلط مطلب نکال کر ایک عرصہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں کہ حصول پاکستان کا مقصد، نفاذ شریعت نہیں بلکہ ایک سیکولر ریاست کا قیام تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تحریک آزادی کے دنوں میں لگنے والا معروف نعرہ ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ'' اس بات کا غیر مبہم اور واضح اعلان تھا کہ قیام پاکستان کا مقصد کارکنان و قائدین تحریکِ آزادی اور خود قائداعظمؒ کی نگاہ میں ایک ایسے خطہ ارضی کا حصول ہے جس میں مکمل طور پر نظامِ شریعت قائم کیا جاسکے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کے ابتدائی تیس سالہ دور نے عملی طور پر اس مقصد سے گریز اور دورنگی کا جو نقشہ پیش کیا، نیز زبانی جمع خرچ کا جو بھونڈا کھیل یہاں کھیلا گیا اس نے نئی نسل کے ذہن میں قیام پاکستان کا مقصد اور نصب العین دھندلا دیا، زبان و عمل کے اس تضاد کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل نے 1992ء میں اپنی رپورٹ میں واضح طور پر برملا لکھا کہ۔

''۔۔۔زبان و عمل کے اس تضاد نے ایسے عناصر کو زندہ کیا اور طاقتور بنایا جنہوں نے متعین منزل کی بابت شکوک کا پنڈورا بکس کھول دیا۔ بھانت بھانت کے ازم اور نصب العین جنم لینے لگے اور ہر فریق اپنے پسندیدہ ازم کے حق میں قائداعظمؒ کے ارشادات کو توڑ موڑ کر پیش کرنے لگا، پچاس کی دہائی کے بعد سے ملک مچھلی بازار بن گیا جہاں اہل پاکستان سر پکڑ کر سوچ رہے تھے کہ آخر ہماری منزل کونسی ہے؟ خود اسلامی نظام کو مشکوک اور متنازعہ بنا دیا گیا اور غضب خدا کا کہ غیر ملکی قوتیں بھی اہل پاکستان کی منزل متعین کرنے میں علی الاعلان مداخلت کرنے لگیں۔

(رپورٹ۔۔۔اسلامی نظریاتی کونسل 1992ء ص۔17)

27 جولائی 1944ء کو قائداعظم کشمیر سے راولپنڈی جارہے تھے کہ رات کو آپ نے ڈھیری حسن آباد کے مقام پر عبدالغنی ٹھیکیدار کے ہاں کھانا کھایا، کھانے کی میز پر مسلم لیگ راولپنڈی کے صدر محمد جان بیرسٹر بھی تھے۔ سر! اگر ہم فرض کرلیں کہ آپ کی موجودگی میں پاکستان بنتا ہے اور آپ اس ملک کے سربراہ بنتے ہیں تو پھر دستور کی حیثیت کیا ہوگی؟''

قائداعظم نے جواب دیا: ۔اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے آپ کے پاس تیرہ سوسال کے دستور موجود ہیں۔

اس پر محمد جان نے سوال کیا اس دستور کو غیر مسلم بھی تسلیم کرلیں گے؟"

قائداعظمؒ نے جواب دیا "میں قرآن کا بڑا عالم ہونے کا دعویدار تو نہیں لیکن قرآن کا جتنا علم مجھے ہے اس کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ قرآنی دستور تو وہ ہے کہ جس کے متعلق غیر مسلم خود کہیں گے کہ یہ ہم پر لاگو کیا جائے"۔اس پر محمد جان صاحب نے پھر سوال کیا کہ قرآن میں تو شراب ممنوع ہے، کیا پاکستان میں شراب بند ہوگی؟"۔

قائداعظمؒ نے کہا "بے شک پاکستان میں شراب بند ہوگی"۔ (سعید راشد قائداعظمؒ گفتار و کردار۔مکتبہ میری لائبریری۔لاہور فروری 1986ء ص 515,514)

26 نومبر 1946ء کو مسٹر بدرالدین سے گفتگو کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے کہا۔

"مسٹر بدر! میرا ایمان ہے کہ قرآن وسنت کے زندہ جاوید قانون پر مبنی ریاست پاکستان دنیا کی بہترین ریاست ہوگی۔میں کسی ازم پر یقین نہیں رکھتا، میں اسلام کے کامل نظام زندگی پر ایمان رکھتا ہوں، مجھے اقبالؒ سے پورا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مسائل کا حل اسلام سے بہتر کہیں نہیں ملتا۔انشاءاللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لاالٰہ الا اللہ ہوگی اور یہ ایک فلاحی اور مثالی ریاست ہوگی۔

(سعید راشد۔قائداعظم گفتار و کردار۔مکتبہ میری لائبریری۔لاہور فروری 1986ء ص 510)

1942ء میں وکلا کے ایک وفد سے الہ آباد میں نواب سر محمد یوسف کی رہائش گاہ پر گفتگو کرتے ہوئے قائداعظم نے وفد کے اس سوال کے جواب میں کہا کہ پاکستان کا دستور کیسا ہوگا؟ اور کیا آپ پاکستان کا دستور بنائیں گے؟" کہا:

"پاکستان کا دستور بنانے والا میں کون ہوتا ہوں؟ پاکستان کا دستور تو تیرہ سوسال پہلے بن گیا تھا(سعید راشد۔قائداعظم گفتار و کردار۔مکتبہ میری لائبریری۔لاہور فروری 1986ء ص 514)

28 فروری 1948ء کو عید میلادالنبیﷺ کے مبارک موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیہ میں "شریعت اسلامیہ" پر تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:۔

"کون کہتا ہے کہ پاکستان کے آئین کی اساس شریعت پر نہیں ہوگی؟ ہماری زندگی میں آج

بھی اسلامی اصولوں پر اسی طرح عمل ہوتا ہے جس طرح کہ تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔ اسلام نے جمہوریت دکھائی ہے، مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے۔ لہٰذا اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کر سکیں گے''۔

(محمد حنیف شاہد۔ اسلام اور قائداعظمؒ۔ انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ لندن 1991ء ص۔116)

قائداعظمؒ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے تھے۔ مولانا ظفر احمد انصاری سے اس سلسلہ میں ایک گفتگو کے دوران آپ نے کہا۔ ''باقی رہا نظام اسلام کا مسئلہ تو آپ مطمئن رہیں۔ ذرا مجھے مہاجرین کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلد دستور پاکستان اصول اسلام کے موافق مرتب ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ایک شیخ الاسلام ہو گا جو حکومت پاکستان کو کنٹرول کرتا رہے گا کہ کوئی دستور اور کوئی قانون خلافِ اسلام پاس نہ ہو سکے۔ (محمد حنیف شاہد۔ اسلام اور قائداعظم ص۔132)

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن حکیم کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں عملاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے اور نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے معنوں میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔

(قائداعظمؒ اکیڈمی۔ کراچی۔ ملت کا پاسبان ص۔330)

آئین پاکستان کے بارے میں ایک انٹرویو میں آپ نے کہا:۔

''پاکستان کا آئین ابھی آئین ساز اسمبلی کے ہاتھوں تیار ہو رہا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری انداز کا ہو گا۔ جس میں اسلام کے اہم اصول ہوں گے۔ ان اصولوں کا آج بھی عملی زندگی پر ویسا ہی اطلاق ہوتا ہے جیسے کہ تیرہ سو سال قبل۔ اسلام اور اس کی مثالیت نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے۔ اس نے ہمیں انسانوں کی برابری، انصاف اور ہر شخص کے ساتھ حسن سلوک کا سبق سکھایا ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے واضعین کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ (قائداعظمؒ اکیڈمی۔ کراچی۔ ملت کا پاسبان ص۔333)

قائداعظمؒ کے مندرجہ بالا بیانات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کے قیام، اسلامی دستور کی تشکیل اور اسلامی نظام عدل وانصاف کے نفاذ کے خواہاں تھے اور یہی پروگرام تحریک پاکستان کے تمام قائدین کے پیش نظر تھا۔ قیام پاکستان کے بعد جلد ہی قائداعظمؒ رحلت فرما گئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا کام ان کے جانشینوں اور حاکم طبقہ کا تھا مگر افسوس کہ وہ ایسا نہ کر سکے۔

(بشکریہ تکبیر 2 جنوری 1997ء از پروفیسر نور احمد شاہتاز)

قراردادِ مقاصد

برادرانِ ملت! قیام پاکستان کے بعد پہلا سال انتظامی مشینری کے اہتمام اور لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کی نذر ہوگیا اور دستور سازی کے سلسلے میں کوئی کام نہ ہوسکا۔ فروری 1948ء میں قائداعظم نے اعلان کیا:۔

''یہ دستور یقینی طور پر جمہوری اور اسلامی اقدار کا حامل ہوگا۔ اسلام اور اس کے نظریہ نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے۔ اس نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور ہر شخص سے حسن سلوک سکھایا ہے''۔

یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ 11 ستمبر 1948ء کو بانی پاکستان قائداعظمؒ اس دُنیائے فانی سے رُخصت ہوگئے۔ ان کی رحلت کے ساتھ ہی حکمران طبقے نے وہ تمام وعدے بھلا دیئے جو تحریک پاکستان کے دوران اسلامی نظام کے قائم کرنے کیلئے کئے گئے تھے۔ اور صاف صاف کہا کہ پاکستان ایک مذہبی نہیں بلکہ غیر مذہبی ریاست ہوگی۔ ان حالات میں عوام نے پاکستان کے اسلامی دستور کیلئے شدت سے مطالبہ کیا تو تحریک پاکستان کے قائدین نے اپنی پہلی دستور ساز اسمبلی میں 12 مارچ 1949ء کو ایک قرارداد منظور کی جو ''قراردادِ مقاصد'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس قرارداد میں چند بنیادی رہنما اصول تھے جن کی روشنی میں پاکستان کیلئے ایک دستور وضع کیا جانا تھا۔ چنانچہ آج پاکستان کے جتنے بھی دستور بنے، چاہے وہ 1956ء کا ہو یا 1962ء کا یا 1973ء کا۔ یہ قرارداد ہمیشہ ان کا جزو لاینفک رہی۔ اس قرارداد میں کیا تھا؟ اس کی وضاحت کیلئے چند وہ حصے لفظ بلفظ پیش خدمت ہیں جو مسلمانانِ پاکستان کے اجتماعی شعور، جذبات، احساسات اور اُمنگوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ درخواست ہے کہ ان کے ایک ایک لفظ پر سنجیدگی

سے غور کیجئے۔ یہ آپ کو پاکستان کے مقصد کا حقیقی شعور عطا کریں گے اور اس سے ہمارے دل و دماغ میں پاکستان کی تعمیر اور پاکستان کے تحفظ کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو گا۔ اس قرارداد کی رو سے طے پایا کہ:۔

''چونکہ تمام کائنات کی بادشاہی صرف اللہ وحدہ، لاشریک کیلئے ہے اور چونکہ وہ اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باشندگان پاکستان کے ذریعہ سے ریاستِ پاکستان کو اس لئے سونپا ہے کہ وہ اس اقتدار کو اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کے اندر استعمال کرے۔ لہٰذا یہ دستور ساز اسمبلی باشندگانِ پاکستان کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے آزاد و خود مختار ریاست پاکستان کیلئے ایک ایسا دستور بنانے کا فیصلہ کرتی ہے۔

الف:۔ جس میں ریاست اپنے اقتدار و اختیارات کو باشندوں کے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔

ب:۔ جس میں پوری جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر اسلام کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ج:۔ جس میں مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی اُن تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق منظم کر سکیں جو قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہیں۔

قرارداد کی تشریح

اس قرارداد میں جن باتوں کا اقرار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:۔

1۔ بادشاہی کے جملہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں۔ یعنی پاکستان میں حاکمیت باشندگانِ ملک کی نہیں بلکہ خداوند عالم کی ہے۔

2۔ پاکستان کی حکومت کو جو اقتدار ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے اور اس کی طرف سے ایک مقدس امانت ہے۔ یہ بالکل وہی مفہوم ہے جس کیلئے قرآن میں ''خلافت'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

3۔ اقتدار کی یہ مقدس امانت حکومتِ پاکستان کو اس لئے سونپی گئی ہے کہ وہ اسے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرے۔ دوسرے الفاظ میں اگر حکومت خدا کی مقرر ہوئی حدوں سے باہر قدم نکالے تو وہ خیانت کی مرتکب ہے۔ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حدود اللہ کی

پابند ہو کر رہے۔

4۔ اقتدار کی یہ امانت پاکستان کے حکمرانوں کو براہِ راست نہیں سونپ دی گئی ہے بلکہ باشندوں کے توسط سے سونپی گئی ہے اور باشندے ہی اس کے مجاز ہیں کہ اس امانت کو اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے سپرد کر دیں۔

5۔ یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہوریت کی اس تشریح کے مطابق چلائیں گے جو اسلام نے پیش کیا۔ دوسرے لفظوں میں یہاں جمہوریت کا نظام نہیں بلکہ خلافتِ راشدہ کا نظام اختیار کیا جائے گا۔

6۔ پاکستان کے ملکی قانون کی بنیادیں آزادی، مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائیں گی جو اسلام نے پیش کی ہے نہ کہ اس تشریح پر جو انگلستان، امریکہ یا روس میں اختیار کی گئی ہے۔

7۔ حکومت پاکستان مسلمانوں کو اس قابل بنانے کی ذمہ دار ہوگی کہ وہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں کتاب وسنت کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ یعنی یہ حکومت وہی فرائض انجام دے گی جو ایک اسلامی حکومت کے فرائض ہیں۔ وہ محض تماشائی نہ ہوگی۔ وہ محض سابق انگریزی حکومت کی طرح روادار نہ ہوگی۔ وہ مسلمانوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ دے گی کہ جس طرح چاہیں اپنی صوابدید کے مطابق کام کرتے رہیں بلکہ ایجابی طور پر اس کا یہ فریضہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے تیار کرے۔

اِنہی باتوں کو دیکھ کر مسلمانوں نے سمجھا کہ اسلامی حکومت کے قیام کا جو مطالبہ وہ کر رہے تھے اسے مان لیا گیا ہے اور یہ مسلمانوں نے خود ہی نہیں سمجھ لیا بلکہ ہمارے لیڈروں نے بھی اپنی تقریروں اور بیانوں میں ہم کو اس بات کا یقین دلایا کہ اس قرارداد میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور غیر مسلموں کو بھی یہ اطمینان دلایا گیا کہ اس قرارداد پر جو اسلامی ریاست قائم ہوگی اس میں ان کے حقوق بالکل محفوظ ہوں گے۔ اس طرح یہ بات پبلک اور لیڈروں کے درمیان متفق علیہ ہوگئی کہ اب یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے قوم کی حیثیت سے ان تمام وعدوں کو فراموش کر دیا جو ہم نے قراردادِ مقاصد میں اپنے خالق کائنات سے کئے تھے۔ جس کا نتیجہ ہم آج دیکھ رہے ہیں اور بھگت رہے ہیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف وکرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد واذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چار دیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

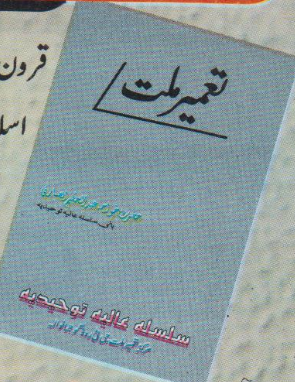
6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب ونظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہوکر داخل سلسلہ ہو۔

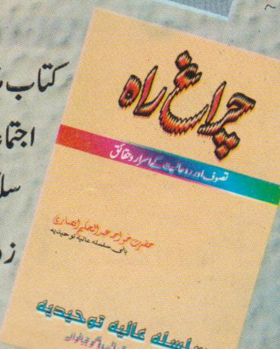
8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازن زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہوجانے کی۔

Monthly FALAH-E-ADMIYYAT

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا حصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

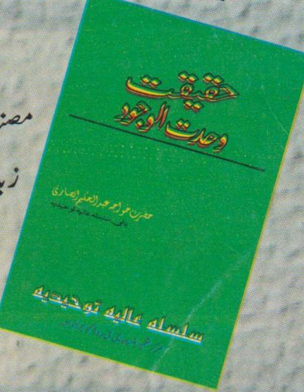
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Website: www.toheedia.net